کیرن آرم سٹرانگ (Karen Armstrong) اور مطالعہ سیرت

سمیہ اطہر☆

ABSTRACT

In the modern age, advanced means of communication have made the fundamental and authentic sources of knowledge accessable. Consequently, the orientalists and scholars studying these treasures of Islamic religious knowledge shelved in the libraries across the globe have been able to present positive and authentic view of Islam and its messenger. A number orientalists and non-Muslim scholars have consulted the basic sources and produce positive and unbiased biographies to the Prophet. As a part of this tradition of intellectual honesty, Karen Armstrong, a religious scholar of present day, has written two books on the *Sirah* of the Holy Prophet Muhammad (ﷺ).

During the past two decades (especially post 9/11), a wide, deep gulf has emerged between West and the Muslim world. In this perspective, Karen Armstrong, having great knowledge of history, comparative religions and current

☆ لیکچرر، شعبۂ اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IRI, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

international relations, has painted a very positive picture of Islam and the Prophet of Islam (ﷺ). She believes that the Prophet of Islam and his teachings can guide the world even today. The political and social problems, Western and Islamic world are facing, can be solved by following the path of the Prophet. This paper focuses particularly on this aspect of Karen's *Sirah* writing.

سیرت نبوی ﷺ جیسے مبارک اور اہم موضوع پر پائے جانے والے گرانقدر سرمایہء ادب میں مسلم سیرت نگاروں کی تخلیقات کے علاوہ ان غیر مسلم سیرت نگاروں کا بھی ایک کثیر حصہ موجود ہے جنہیں ہم مستشرقین کے نام سے جانتے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال قبل جب اہل اسلام اور اہل مغرب کے درمیان افہام وتفہیم کے سفر کا آغاز ہوا تو بیشتر مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق ایسی تحریریں پیش کیں، جن کا مقصد اہل مغرب میں دانستہ طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے تعارف کے نام پر اہانت آمیز اور من گھڑت معلومات کو فروغ دینا تھا۔ خاص طور پر قرون وسطیٰ کے یہودی اور عیسائی اسکالرز اس منفی طرز فکر کی نمائندگی کرتے رہے ۔مستشرقین کی تحریروں میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہی عنصر نمایاں رہا۔ گزشتہ تین صدیوں میں بے شمار مستشرقین نے سیرت کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس سلسلے میں اب تک سامنے آنے والے کام میں ان کے دو طبقات فکر زیادہ نمایاں ہیں۔

۱- وہ شدت پسند اور متعصب مستشرقین کہ جن کا عمومی مطمح نظر صرف اور صرف اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور منفی و معاندانہ رویّے کا اظہار ہے۔

۲- ایسے معتدل مزاج مستشرقین کہ جو سیرت نگاری پر قلم اٹھاتے ہوئے (اپنے ہاں پہلے سے مروّج) مذہبی تعصّب کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق حقائق کا قدرے مثبت انداز میں اعتراف کرتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ غیر جانبدار مغربی محقّقین و مصنّفین بھی شامل ہیں جو آزادانہ اور معروضی طرز پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں معتدل اور مثبت خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

اسی طبقے سے تعلق رکھنے والے مغربی مصنفین میں ایک معروف نام کیرن آرم سٹرانگ (Karen

(Armstrong کا ہے[۱] جو عصر حاضر کی دانشور اور مذہبی اسکالر کی حیثیت سے دنیا بھر میں شناخت رکھتی ہے۔ اس نے مختلف مذاہب عالم بالخصوص الہامی مذاہب کے بارے میں قابل قدر تصنیفات تحریر کی ہیں۔ Islam: A Short History کے عنوان سے مصنفہ نے اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار، طبقہ ہائے فکر اور دنیا کے مختلف خطوں میں اس کے عروج و زوال کی داستان کا احاطہ کیا ہے[۲]۔ جبکہ سیرت نبویﷺ پر بھی ان کی دو کتب شائع ہو چکی ہیں۔ Muhammad:A Biography of the Prophet کیرن کی سیرت پر پہلی تصنیف ہے[۳]۔ جبکہ Muhammad: Prophet for Our Time مصنّفہ کی سیرت کے موضوع پر لکھی گئی دوسری تصنیف ہے[۴]۔ متقدّمین مستشرقین کی تحریر و تقریر کے برعکس ان کتب سیرت میں مصنفہ نے اہل مغرب کے لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کا تعارف انتہائی معتدل اور مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ کوشش

۱- کیرن آرم سٹرانگ (Karen Armstrong) ۱۴ نومبر ۱۹۴۴ء کو برطانیہ کی ریاست ورسسٹر شائر (Worcestershire) میں بمقام وائلڈمور (Wildmoor) آئرش نژاد خاندان میں پیدا ہوئی۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۲ء میں سترہ (۱۷) سال کی عمر میں کیرن کیتھولک نن (Nun) بننے کے لیے چرچ میں داخل ہوئی اور ۱۹۶۹ء میں چند ناپسندیدہ واقعات کی وجہ سے چرچ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ سیکولر زندگی میں واپسی کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی سے انگریزی ادبیات (English Literature) میں درجہ اول میں گریجویشن کی اور Ph.D کے مقالے پر تین سال کام کیا، مگر آکسفورڈ یونیورسٹی نے اس مقالے کو مسترد کر دیا۔ اس استرداد (Rejection) کے بعد کیرن نے بطور استاد (Teacher) ایک اسکول میں ملازمت اختیار کی مگر مرگی (Epilepsy) کے عارضے کی وجہ سے ۱۹۸۱ء میں ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ پھر کیرن نے لکھنے لکھانے کا کام شروع کیا۔ اسی دوران B.B.C کے چینل فور (IV) نے اسے سینٹ پال (Saint Paul) پر دستاویزی فلم بنانے کیلئے منتخب کیا، تو کیرن کو سامی مذاہب کے مطالعے کا موقع ملا اور یوں اس نے مختلف مذاہب عالم کے متعلق کتب لکھنے کا آغاز کیا۔ کیرن کے سوانحی خاکے کی مزید تفصیلات کے لیے درج ذیل کتب کی طرف مراجعت کریں۔

Karen Armstrong, Through the Narrow Gate, Famingo, London, 1997; The Spiral Staircase, Harper Perennial, London, 2005.

۲- کیرن آرم سٹرانگ، ***Islam: A Short History***، لندن، ۲۰۰۱ء

۳- کیرن آرم سٹرانگ، ***Muhammad: A Biography of the Prophet***، لندن ۲۰۰۱ء، کیرن کی سیرت پر پہلی تصنیف ہے۔ جو سلمان رشدی کے بدنام زمانہ ناول (The Satanic Verses, 1988) کی برطانیہ سے اشاعت پر اہل اسلام کے احتجاج کے پس منظر میں لکھی گئی۔ اور پہلے پہل 1991ء میں شائع ہوئی۔

۴- کیرن آرم سٹرانگ، ***Muhammad: Prophet for our Time***، لندن ۲۰۰۷ء، کیرن کی سیرت پر دوسری تصنیف ہے۔ جو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دہشت گردوں کے حملے کے بعد دنیا کے سیاسی حالات کے پس منظر میں لکھی گئی۔ اور پہلے پہل ۲۰۰۶ء میں برطانیہ سے شائع ہوئی۔

اس حقیقت کی غمّاز ہے کہ اب کچھ مغربی اسکالرز اپنے تحقیقی مزاج سے مذہبی تعصّب کی دبیز تہوں کو ہٹانے کی سعی کر رہے ہیں جو کہ قابل تعریف اور خوش آئند رویّہ ہے۔ ان کتب سیرت کو ان نمائندہ تحریروں کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جو اکیسویں صدی کے پُر ہنگام آغاز میں سیرت نگاری میں مغربی افکار و رجحانات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ان خصوصیات کی بنا پر ان کتب سیرت کو نہ صرف اقوامِ مغرب بلکہ مسلم ممالک کے علمی حلقوں میں بھی خاصی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ کیرن کی ان دونوں کتب سیرت پر مندرجہ ذیل موضوعات کے حوالے سے تحقیقی وتنقیدی جائزہ مختصراً پیش خدمت ہے۔

۱- کیرن کی کتب سیرت کا اسلوب
۲- کیرن کی کتب سیرت کے محاسن
۳- کیرن کی کتب سیرت میں فروگذاشتیں

۱- کیرن کی کتب سیرت کا اسلوب

مصنّفہ کی کتب سیرت کے مندرجات کے مفصّل مطالعہ کے بعد ان کے اسلوب کے درج ذیل پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

(ا) عالمی مسائل کے حل کے لیے سیرتِ نبوی ﷺ سے استفادہ

ان کتب سیرت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سیرت نگاری سے مصنّفہ کا مقصد موجودہ عالمی مسائل کے حل کے لیے نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے راہنمائی کا حصول ہے۔ دراصل سیرت رسول ﷺ محض ایک شخصیت کی سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ یہ تہذیب وتمدّن، ملک و ملت اور پیغام الٰہی کے آغاز وارتقا کی انتہائی اہم، دلچسپ اور مفید داستان ہے۔ جس کی ہر سطر حکم و مصالح اور دانش و بینش کا بحر بے کنار ہے۔ ہر دور کے سیرت نگار اپنے اپنے ادوار کی ضروریات کے مطابق اس گنجینۂ حکمت و دانش سے مستفید ہو رہے ہیں۔ کیرن آرم سٹرانگ بھی اپنے عہد میں دنیا کے سیاسی افق پر موجود بدامنی اور تیرگی کے تناظر میں اقوام عالم کے تمام مسائل کا حل صرف سیرتِ اقدس جیسے اہم موضوع ہی سے پیش کر رہی ہے۔ اس بات کو مصنّفہ یوں بیان کرتی ہے۔

> The historians and thinkers of the time believed that learning about the Prophet's struggles to make the word of God audible in the seventh century would help them to preserve his spirit in their own. From

the very start, writing about the Prophet Muhammad was never a wholly antiquarian pursuit.The process continues today.(۵)

''اس دور کے مورخین اور مفکرین کو اس بات کا یقین تھا کہ ساتویں صدی (عیسوی) میں کلام الٰہی کا بول بالا کرنے کے لیے پیغمبر اسلامﷺ کی کوششوں کے متعلق جاننا انہیں اپنے عہد میں وہی جذبہ زندہ کرنے میں مدد دے گا۔ لہٰذا بہت ابتدا سے ہی آنحضرتﷺ کی سیرت نگاری محض ماضی کی کھوج کا عمل نہیں تھا (بلکہ رواں مسائل کے حل کیلئے آنحضرتﷺ کی زندگی سے راہنمائی حاصل کرنا تھا) یہ عمل آج بھی جاری ہے۔''

گویا کہ کیرن اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ سیرت نگاری محض ماضی کی کھوج کا عمل نہیں بلکہ آج کے پُرانتشار دور میں اللہ کے احکامات کا بول بالا کرنے اور دنیامیں عالمگیر امن وآشتی کے حصول کے لیے راہنمائی کا اولیّن اور اہم ترین ماخذ ہے۔ مصنّفہ اس تلخ حقیقت کا بھی کھلے دل سے اعتراف کرتی ہے کہ اہل مغرب ہمیشہ سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف منفی و معاندانہ رویہ رکھتے ہیں کیوں کہ بدقسمتی سے مغربی عوام کے پاس حضرت محمدﷺ کے متعلق اپنے تاثرات تبدیل کرنے کے لیے کوئی بھی مثبت اور غیر جانبدارانہ معلومات نہ تھیں۔ لہٰذا مصنّفہ نے مکالمہ بین المذاہب کی داعیہ ہونے کے ناطے یہ ذمّہ داری محسوس کی کہ اہل مغرب کو اہل اسلام کے قریب لانے کے لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کا تعارف مثبت اور جامع انداز میں اہل مغرب تک پہنچایا جائے۔ وہ لکھتی ہے۔

But I realized that many Western people had no opportunity to revise their impression of Muhammad, So I decided to write a popular accessible account of his life to challenge this entrenched view.(٦)

۵- کیرن آرم سٹرانگ، ***Muhammad: Prophet for our Time***، ص ۱۷

٦- ایضاً، صفحہ ۱۸

''لیکن میں نے محسوس کیا کہ بہت سے اہل مغرب کو حضرت محمدﷺ کے بارے میں اپنے تأثرات پر نظرثانی کرنے کا کوئی موقع ہی میسر نہ تھا۔ لہٰذا میں نے اس رائج (تعصب زدہ) نقطہ نظر کو چیلنج کرنے کے لیے (آنحضرتﷺ) کی ایک مقبول عام اور قابل رسائی سوانح حیات لکھنے کا فیصلہ کیا۔

یقیناً ان کتب سیرت کو تالیف کرنے کا سب سے اہم مقصد یہی ہے کہ اہل مغرب پر خلوص فکر کے ساتھ اس اسوہء حسنہ سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ رواداری اور ہم آہنگی کا رویہ اختیار کریں اور عالمی شیرازہ بندی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ مصنّفہ نے اسلامی تاریخ کے مختلف واقعات و مسائل کے بیان میں ان کے حل کے لیے نبی اکرمﷺ کے مدبّرانہ فیصلوں میں پائی جانے والی حکمت و دانش کو جابجا موضوع بحث بناتے ہوئے موجودہ عالمی مسائل کے حل کے ساتھ ان کی تطبیق کی ہے۔

(ب) ادبی و ڈرامائی طرز تحریر

مصنّفہ کے پیش نظر اپنے ہم وطن مغربی قارئین کے لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کا مختصر تعارف، جامع اور آسان فہم انداز میں پیش کرنا ہے،لہٰذا اس کی تحریر مسلم سیرت نگاری کے روائتی اسلوب سے ہٹ کر (مغربی قارئین کے ذوق اور فہم کی رعایت رکھتے ہوئے) کسی قدر جدید سوانح نگاری اور ادبی و ڈرامائی طرز کی حامل ہے تاکہ مغربی عوام کی (آغاز تا اختتام) اس موضوع سے دلچسپی برقرار رہے۔ مثلاً مصنّفہ اپنے قارئین سے حضرت محمدﷺ کا پہلا تعارف کچھ یوں کراتی ہے۔

During the month of Ramadan in about the year 610, an Arab merchant of the city of Mecca in the Hijaz had an experience that would ultimately change the history of the world.[۷]

''تقریباً ۶۱۰ عیسوی کے رمضان کے مہینے میں حجاز کے شہر مکہ کے ایک تاجر (حضرت محمدﷺ) ایک ایسے تجربے سے روشناس ہوئے جس نے بالآخر دنیا کی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔''

۷۔ کیرن آرم سٹرانگ، ***Muhammad: A Biography of the Prophet***، ص۴۵

مصنفہ نے ان کتب میں سیرت اقدس کے واقعات کو اس تسلسل اور جامعیت سے پیش کیا ہے کہ سیرت کے موضوع کو پہلی دفعہ پڑھنے والا مغربی قاری بھی اس طویل تاریخ میں خود کو اجنبی محسوس نہیں کرتا اور ایک دلچسپ سوانح حیات کو پڑھتے ہوئے بنیادی اسلامی عقائد، اہم تاریخی واقعات اور مذہبی قوانین سے واقفیت حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

(ج) تاریخ تحریک استشراق کا غیر جانبدارانہ جائزہ

اسلام اور پیغمبر اسلام کے تعارف سے قبل مصنفہ نے ایک طویل باب میں اپنے مغربی قارئین کی یاد دہانی کے لیے ایک ہزار سالہ مبنی برتعصّب تاریخ اِستشراق کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے[۸]۔ تاکہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق (عیسائی) اہل مغرب میں پائے جانے والے منفی و معاندانہ رویّے کی تہہ میں کارفرما اسباب وعلل سے بخوبی آگاہ ہوسکیں۔اس ضمن میں وہ اہل مغرب کے تاریخی متعصب رویوں کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہے:

> "Some details of this fantasy reflect Christian anxieties about their own emergent identity. Islam was stigmatised as the 'religion of the sword' during the crusades, a period when Christians themselves must have had a buried worry about this aggressive form of their faith which bore no relation to the pacifist message of Jesus. At a time when the Chruch was imposing celibacy on a reluctant clergy, the astonishing accounts of Mohammad's sexual life reveal far more about the repressions of Christians than about the facts of the Prophet's own life. There is a definite note of ill-concealed envy in this depiction of 'Islam, as a self indulgent and easy going religion. Finally it was the West, not 'Islam' which forbade the open discussion of religious matters. At the time

---

۸- ایضاً، صفحہ۲۱-۴۴

of the Crusades, Europe seemed obsessed by a craving for intellectual conformity and punished its deviants with a zeal that has been unique in the history of religion." [۹]

''اسلام کی اس تصوراتی تصویر کی تفصیلات، عیسائیوں کی اس پریشان ذہنی رو کو ظاہر کرتی ہیں جو ان کی اپنی تبدیل شدہ مذہبی پہچان کے متعلق پیدا ہو چکی ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں نے اسلام کو شدید بدنام کیا کہ یہ تلوار کے زور پر پھیلنے والا متشدد مذہب ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب (سنجیدہ) عیسائی خود اس بات پر شدید حیرت زدہ تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عدم تشدد کی تعلیمات (اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال پیش کردو) کے برعکس، عیسائی شدید متشدد اور جنگجو ہو رہے تھے۔ ایک ایسے وقت میں، جب عیسائی چرچ اپنے مذہبی رہنماؤں کو(ان کی مرضی کے خلاف) تجرد کی زندگی گزارنے پر مجبور کر رہا تھا، یورپ کے عیسائی حضرت محمدﷺ کی ذاتی زندگی کی رنگین داستانیں بیان کرتے ہوئے، حضرت محمدﷺ کی زندگی کو بے نقاب کرنے سے زیادہ، اپنی شخصی محرومیوں اور تشنہ آرزوؤں کو الفاظ کا جامہ پہناتے تھے۔ جب وہ اسلام کو ایک آزاد خیال اور عیاش مذہب طور پر پیش کرتے تھے تو گویا اپنی فطرت کے اندر چھپے ہوئے رشک اور حسد کے جذبات سے مغلوب ہوتے تھے۔ بالآخر، یہ مغرب ہی تھا نہ کہ اسلام، جس نے مذہبی معاملات پر بحث کرنے کی پابندی لگائی تھی۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں پورا یورپ جنون اور دیوانگی کی حد تک صدیوں پرانے افکار کی جاہلانہ تقلید کا علمبردار دکھائی دیتا تھا۔ اور ہر وہ شخص جو کسی نئے خیال یا نئی جہت کی بات کرتا، چرچ کی نظر میں کافر اور شدید ترین سزا کا مستحق قرار پاتا تھا۔ یہ بات مذہب کی تاریخ میں بالکل انوکھی تھی۔''

یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ ایک مغربی اسکالر کے قلم سے ہی اہل مغرب کے پُرتشدّد رویّوں

۹۔ ایضاً، ص ۲۷

کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو مغربی عوام کے لیے ان کی متعصب مذہبی تاریخ کا آئینہ دکھاتے ہوئے، مسلمانوں پر تشدّد پسندی کے الزامات کو ردّ کرنے میں مؤثر اور کلیدی کردار ادا کرسکتی ہے۔

(د) اہل مغرب کی تنقید کے جواب میں اسلامی تعلیمات کا معروضی جائزہ

مصنّفہ نے اسلامی تعلیمات اور سیرت نبویﷺ کے مختلف پہلوؤں کا تعارف کروانے سے قبل نہ صرف ان موضوعات پر اپنے پیش رو مستشرقین کی طرف سے اٹھائے گئے عمومی تنقیدی نکات کا جائزہ پیش کیا ہے بلکہ ان اشکالات کے پیدا ہونے کی تاریخی و نفسیاتی وجوہات سے بھی بحث کی ہے۔ پھر اسلامی تعلیمات کا (یہودیت و نصرانیت کی تعلیمات سے تقابل کرتے ہوئے) اپنے تئیں صحیح عکس پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا اسلوب اور اس کی محفوظیت[۱۰] اسلام میں جہاد کی ضرورت و اہمیت[۱۱] تعدّد ازواج کی علّت،[۱۲] پیغمبر اسلام کا اُمّی ہونا،[۱۳] اسلام میں عورت کا مقام اور پردے کی اہمیت وغیرہ[۱۴] ایسے اہم موضوعات(Burning Issues) ہیں، جن پر صدیوں سے مستشرقین حاشیہ آرائی کرتے رہے ہیں۔ مصنّفہ نے ان الزامات پر کھل کر تنقید کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ مثلاً مُصنّفہ اسلام کے معاشی نظام(زکوٰۃ) کا تعارف کرواتے ہوئے اہل مغرب کے تنقیدی رویے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

> Western Scholars tell us that it is mistaken to see Muhammad as a socialist. They point out that he never criticised capitalism, which had, after all, done great things for the Quraysh, and that he did not attempt to abolish poverty altogether.[۱۵]
>
> ”مغربی اسکالرز کہتے ہیں کہ حضرت محمدﷺ کو ایک سوشلسٹ کہنا غلط ہے، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیمات میں کبھی سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید نہیں کی کیونکہ یہ نظام قریش کے ہاں رائج تھا اور وہ

۱۰- ایضاً، ص ۱۰۱، ۱۱۶، ۱۲۵-۱۲۸؛ *Muhammad: Prophet for Our Time*، ص ۵۷-۵۹

۱۱- ایضاً، ص ۱۲۸-۱۲۹، *Muhammad: A Biography of the Prophet*، ص ۱۶۴-۱۶۹

۱۲- *Muhammad: A Biography*، ص ۱۴۵-۱۹۰؛ *Muhammad: Prophet*، ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۴۷

۱۳- *Muhammad: A Biography*، ص ۸۸

۱۴- ایضاً، ص ۱۹۱-۲۳۹، ۱۹۷-۱۹۹؛ *Muhammad: Prophet*، ص ۱۶۹-۱۷۰

۱۵- *Muhammad: A Biogrpahy*، ص ۹۲

اس سے مستفید ہوتے تھے۔ ان (اسکالرز) کا یہ بھی کہنا ہے کہ انہوں
(حضرت محمد ﷺ) نے غربت کو ختم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔"

مصنّفہ ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے واضح کرتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ آج کے سوشلزم کے رائج مغربی نظریات سے مطابقت نہ رکھتے ہوں، لیکن اگر دقیق نظر سے دیکھیں تو حضرت محمد ﷺ یقیناً ایک سوشلسٹ تھے۔ یہ سچ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح دولت اور مادی اشیاء کے حصول کی مذمت نہیں کی اور نہ ہی مسلمانوں کو اپنی تمام تصرفات لوگوں میں بانٹنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس کی بجائے انہیں اپنی دولت کو اپنی رضا سے ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے میں فراخ دلی اپنانے اور اپنی آمدنی میں سے مسلسل مخصوص رقم غریبوں پر خرچ کرنے کی تاکید کی ہے(۱۶)۔

اسلامی معاشی نظام کے متعلق سیر حاصل بحث کرتے ہوئے مصنّفہ ان میں پائی جانے والی اصل حکمت یوں بیان کرتی ہے۔

> The early message of the Qur'an is simple: it is wrong to stockpile wealth to build a personal fortune, but good to give alms and distribute the wealth of society.(۱۷)
>
> "اس ضمن میں قرآن کا ابتدائی پیغام بے حد سادہ ہے۔ ذاتی یا انفرادی مفادات کے حصول کیلئے ارتکاز دولت انتہائی غلط کام ہے۔ لیکن دوسروں کو صدقات دینا اور معاشرے میں دولت کی (منصفانہ) تقسیم (گردش دولت) کرنا کارِ خیر ہے۔"

مصنّفہ کا یہ طرزِ تحریر انتہائی قابلِ ذکر اور اس حقیقت کا غماز ہے کہ مغربی عیسائی معاشرے میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف صدیوں سے رائج منفی و متعصّب پراپیگنڈہ کے باوجود، ان کی آنے والی نسلوں میں سے ایسے اعتدال پسند اسکالرز منظر عام پر آرہے ہیں جو غیر جانبدارانہ اور معروضی تحقیق کے باعث اسلام سے صحیح تعارف حاصل کر رہے ہیں۔ پچھلے چند عشروں کے دوران اسی گروہ کے چند سکالرز نے یہ بات بڑی شدّت سے محسوس کی ہے کہ ماضی میں ان کے ہم وطن مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں جانبدارانہ ،متعصّب اور غیر علمی رویّے کا مظاہرہ کیا ہے۔ لہٰذا وہ ان کے اس رویّے پر کھل کر نقد و محاکمہ کر

۱۶- ایضاً، ص ۹۲-۹۳

۱۷- ایضاً، ص ۹۲

رہے ہیں۔ اپنی مثبت طرزِ تحریر کے باعث کیرن ان اعتدال پسند مغربی سکالرز کی صفِ اوّل میں کھڑی دکھائی دیتی ہے۔

(ر) الہامی مذاہب میں پائی جانے والی مماثل و متضاد تعلیمات کا عمومی تقابل

اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر اہل مغرب کی تنقید اور الزامات کے جواب میں مصنفہ تینوں الہامی مذاہب میں پائی جانے والی مماثل و متضاد ہر دو طرح کی تعلیمات کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے نہ صرف یہودیت و نصرانیت کا اسلام سے تقابل پیش کرتی ہے۔ بلکہ اسلامی تاریخی واقعات و مسائل کی حقیقی عکاسی کے لیے پیغمبر اسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے اپنے مخصوص ادوار کے مسائل کے تقاضوں کے مطابق ان کے فیصلوں کی توجیہات بھی بیان کرتی ہے: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی[18] غزوات کی وجوہات[19] انجام بنو قریظہ[20] اور صلح حدیبیہ[21] جیسے موضوعات مستشرقین کے نزدیک متنازعہ حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کی سیاسی زندگی اور غزوات کی وجوہات کے بیان میں، مصنفہ پہلے اہل مغرب کے الزامات کا ذکر کرتی ہے کہ مغربی عیسائیوں نے حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے سیاسی پہلو کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا ہے اور ان پر مذہب کو سیاسی قوت کے حصول کا ذریعہ بنانے کا الزام لگایا ہے۔ اسلام کو تلوار سے پھیلنے والا دین اور ایسا مذہب قرار دیا ہے جس نے عدم برداشت اور بگاڑ کو تقویّت دے کر حقیقی روحانیت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ وہ الزامات ہیں جو مغربی عیسائیت ازمنہ وسطیٰ سے اسلام کے خلاف لگا رہی ہے[22]۔

مصنفہ ان الزامات کی وجوہات کے بیان میں لکھتی ہے کہ اہل مغرب کے ان الزامات کے پس منظر میں ان کے مخصوص مذہبی نظریات کارفرما ہیں۔ چونکہ عیسائیت میں ناکامی اور عاجزی کو مذہبی رہنما کی زندگی کا جزو لازم قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت محمد ﷺ کے حصول امن، قوت اور فتح کے لیے لڑنے کو اہل مغرب معیوب سمجھتے ہیں۔ عیسائیت میں چرچ اور سیاست کو ہمیشہ ایک دوسرے سے الگ رکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں مذہب اور سیاست باہم یکجا ہیں۔ لہٰذا عموماً اسلام کو ان دونوں عناصر کو خلط ملط کر دینے کا الزام دیا

۱۸- ایضاً، ص ۱۶۸

۱۹- ایضاً؛ *Muhammad: Prophet*، ص ۱۲۸-۱۲۹

۲۰- *Muhammad: Prophet*، ص ۱۶۱-۱۶۴؛ *Muhammad: A Biography*، ص ۲۰۶-۲۰۹

۲۱- *Muhammad: A Biography*، ص ۲۱۴-۲۲۶؛ *Muhammad: Prophet*، ص ۱۷۵-۱۹۰

۲۲- *Muhammad: A Biography*، صفحہ ۱۶۴

جاتا ہیں[۲۳]۔

مغربی ناقدین کے ان الزامات کے جواب میں مصنفہ نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام اور حضرت محمد ﷺ کے مخصوص ادوار کے سیاسی حالات کا تقابل اور ان کی وجوہات پر مفصل بحث کی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے سیاسی کردار پر اپنا تبصرہ کرتے ہوئے کیرن رقمطراز ہیں۔

> In the West we often imagine Muhammad as a warlord, brandishing his sword in order to impose Islam on a reluctant world by force of arms. The reality was quite different. Muhammad and the first Muslims were fighting for their lives and they had also undertaken a project in which violence was inevitable. No radical social and political change has ever been achieved without blood shed, and , because Muhammad was living in a period of confusion and disintegration, peace could be achieved only by the sword.[۲۴]

> ''مغرب میں ہم عیسائی اکثر حضرت محمد ﷺ کو ایک جنگجو تصور کرتے ہیں۔ جو اسلام قبول کرنے سے منکر دنیا پر تلوار لہراتے ہوئے فوج کی طاقت کے بل بوتے اسلام مسلط کرتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف تھی۔ حضرت محمد ﷺ اور ابتدائی مسلمان اپنی بقا کیلئے لڑ رہے تھے اور وہ ایک ایسے منصوبے پر کام کر رہے تھے جس میں تشدد ناگزیر تھا۔ کوئی بھی معاشرتی اور سیاسی انقلابی تبدیلی کبھی بھی خون بہائے بغیر حاصل نہیں ہوئی۔ چونکہ حضرت محمد ﷺ بے یقینی اور انتشار کے دور میں رہ رہے تھے۔ اس لیے وہاں امن صرف تلوار کے ذریعے سے ہی قائم کیا جا سکتا تھا۔''

۲۳- ایضاً، ص ۱۶۵

۲۴- ایضاً، ص ۱۶۸

مصنفہ نے اسلامی تاریخ کے نبویؐ دور کی سیاسی صورتحال کے تناظر میں غزوات اور جہاد کی ضرورت و اہمیت کا انتہائی متعدل اور مدلل جائزہ پیش کیا ہے۔

(س) ذاتی آراء اور فلسفیانہ تاویلات کا بیان

کیرن نے اپنی کتب سیرت میں چند ایک مقامات پر اسلامی تعلیمات اور تاریخی واقعات کی تشریح کرتے ہوئے اپنی فہم و ادراک کے مطابق ذاتی آراء اور فلسفیانہ تاویلات کا بیان کیا ہے۔ جیسے واقعہ اسراء و معراج[۲۵] اور انبیاء بنواسرائیل کے تجربہ وحی کے تاثرات[۲۶] وغیرہ، ان مقامات پر فلسفیانہ مباحث کی بھرمار قارئین کے لیے اکتاہٹ اور بوجھل پن کا باعث بنتی ہے اور تحریر کی سلاست و روانی پر منفی اثرات چھوڑتی ہے ۔اکثر مقامات پر قاری ان گنجلک مباحث سے موضوع نفس کے متعلق وضاحت کی بجائے اشکال کا شکار ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید مصنّفہ خود ان موضوعات کا درست فہم حاصل نہیں کر سکی یا کم ازکم مسلم محققین کی آراء کے خلاف نقطہ نظر کی حامل ہے۔

غرض کہ کیرن کی کتبِ سیرت میں چند ایک منفی تأثرات کے علاوہ، مجموعی طور پر اسلوب میں بیان کردہ مثبت عوامل کی موجودگی مصنفہ کی ذہنی پختگی، اعتدال پسند نقطہ نظر اور محقّقانہ مزاج کی نشاندہی کرتی ہے۔ تحریر کی انہی خوبیوں کے باعث ان کتبِ سیرت کی قدروقیمت میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

۲- کیرن کی کتب سیرت کے محاسن

کیرن کی تحریر کردہ کتب سیرت گو کہ مسلم سیرت نگاری کے اسلوب سے ہٹ کر لکھی گئی ہیں اور مصنّفہ چند ایک مقامات پر اسلامی عقائد کے بیان کے حوالے سے ابہام و اشکال کا شکار نظر آتی ہے، مگر مجموعی طور پر یہ دونوں کتب سیرت درج ذیل نمایاں محاسن کی حامل ہیں۔

(ا) سیرت نبوی ﷺ کے بیان میں عقیدت و احترام کا اظہار:

مصنّفہ نے اپنی دونوں کتب سیرت میں اسلامی تاریخ اور تعلیمات کے نمایاں خدو خال پر اہل مغرب کے روایتی شکوک وشبہات اور جرح وتنقید کی بجائے حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے توصیفی بیانات دیے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے بیان میں انتہائی عقیدت و احترام کا عنصر نمایاں ہے۔ روایتی اسلامی اسلوب کی طرز پر شمائل نبوی ﷺ کے ذکر کے علاوہ مصنّفہ نے جابجا حضرت محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے دیگر

۲۵- ایضاً، ص ۱۴۰-۱۴۲

۲۶- ایضاً، ص ۸۵-۸۶

نمایاں پہلوؤں پر اپنا تجزیاتی تبصرہ پیش کیا ہے[۲۷]۔ مثلاً پیغمبر اسلام کی مذہبی و معاشرتی ذمہ داریوں میں مثالی توازن و امتزاج پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنفہ لکھتی ہے۔

> Muhammad had great spiritual as well as political gifts-the two do not always go together- and he was convinced that all religious people have a responsibility to creat a good and just society. He could become darkly angry and implacable, but he could also be tender, compassionate, vulnerable and immensely kind. We never read of Jesus laughing, but we often find Muhammad smiling and teasing the people who were closest to him, We will see him playing with children, having trouble with his wives, weeping bitterly when a friend dies and showing off his new baby son like any besotted father.[۲۸]

> ''حضرت محمد ﷺ عظیم روحانی اور سیاسی جواہر سے مالا مال تھے۔ (حالانکہ عمومی طور پر یہ دونوں خصوصیات بیک وقت کسی ایک ہی ذات میں اکٹھی نہیں ہوتیں) اور وہ اس بات کے قائل تھے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو عدل و انصاف سے بھرپور معاشرے کی تشکیل میں حصہ لینا چاہیے۔ بعض اوقات (کچھ مواقع پر) آپ نے غصے اور ناگواری کا اظہار بھی کیا۔ لیکن بیشتر مواقع پر آپ نہایت مہربان، شفیق، حساس اور بے حد رحم کرنے والے تھے۔ ہم نے کبھی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ نہیں پڑھا کہ وہ کبھی ہنسے ہوں مگر ہم حضرت محمد ﷺ کو اکثر (ان کی سوانح عمریوں میں) مسکراتے اور اپنے قریبی صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ ہم انہیں (آئندہ صفحات میں) بچوں کے ساتھ

۲۷- ایضاً، ص ۷۸

۲۸- ایضاً، ص ۵۲

کھیلتے ہوئے، بیویوں کے ساتھ تنازعات کرتے ہوئے، کسی دوست کی
وفات پر شدت غم سے روتے ہوئے اور اپنے نومولود بیٹے کو شدید پدرانہ
محبت سے اٹھائے پھرتے ہوئے دیکھیں گے۔''

کیرن کا پیغمبر اسلام کے انسانی رویّوں پر یہ تبصرہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی شخصیت سے ان کا تقابل اس بات کا ثبوت ہے کہ مُصنفّہ کے نزدیک حضرت محمدﷺ کی شخصیت زندگی کے ہر پہلو کے اعتبار سے کامل اور مثالی نمونہ تھی۔ اسی طرح ایک اور مقام پر مصنفّہ حضرت محمدﷺ کی تحریک اسلامی کی عظیم کامیابی کے ایک انتہائی اہم پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

One of the most remarkable aspects of Muhammad's achievement was his isolation. He knew about Judaism and Christianity but his knowledge was very limited. Unlike the Prophets of Israel, Muhammad was not working towards the difficult monotheistic solution with the support of an established tradition which had its own momentum and insight and could provide ethical guidance that had been hammered out over centuries. Jesus and st,Paul were both embedded in Judaism and the first christians came from the Jews and their supporters, the God fearers, in the Synagogues. Christianity took root in the Roman empire where Jewish communities had paved the way and prepared the minds of the pagans. But Muhammad had to start virtually from scratch and work his way towards the radical monotheistic spirituality on his own.(۲۹)

''حضرت محمدﷺ کی کامیابی کا ایک نہایت قابل ذکر پہلو ان کا (کسی

۲۹- ایضاً، ص ۵۳

بھی مذہبی تاریخ سے بالکل الگ اور) نابلد ہونا تھا۔ وہ یہودیت اور عیسائیت کے بارے میں جانتے تو تھے مگر ان کی معلومات انتہائی محدود تھیں۔ اسرائیلی پیغمبروں کے برعکس حضرت محمد ﷺ کو وحدانیت جیسے مشکل پیغام کو سمجھانے کے لیے پہلے سے رائج کسی بھی ایسی مذہبی روایت کا سہارا حاصل نہ تھا جس میں کوئی تسلسل یا بالغ نظری ہوتی' جو صدیوں کے غوروفکر یا اخلاقی راہنمائی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ پال دونوں یہودیت سے جڑے ہوئے تھے اور عیسائیت قبول کرنے والے ابتدائی لوگ بھی یہودی عبادت گاہوں (سینا گاگ) سے متعلق تھے۔ عیسائیت نے جس رومن سلطنت میں اپنی جڑیں مضبوط کیں وہاں یہودیت پہلے سے ہی اپنا راستہ بنا چکی تھی اور بت پرستوں کے ذہنوں کو وحدانیت کی طرف مائل کر چکی تھی۔ لیکن اس کے برعکس' حضرت محمد ﷺ کو اپنا کام صفر سے شروع کرنا پڑا۔ اور انقلابی وحدانیت کی طرف اپنے ہی بنائے ہوئے راستے پر چلنا پڑا۔''

ایک مغربی سکالر کے قلم سے نکلا ہوا یہ تبصرہ اس حقیقت کا غماز ہے کہ مصنفہ اپنے پیش رو مستشرقین (جو اسلام کو یہودیت و نصرانیت کی مذہبی تعلیمات کا بدعتی و پراگندہ آمیزہ (heresy) اور پیغمبر اسلام کے دعویٰ نبوت کو عیسائی راہبوں سے میل جول کا شاخسانہ قرار دیتے رہے ہیں) کے برعکس پیغمبر اسلام کی مذہبی اور معاشرتی کامیابیوں کی وجہ ان کی جداگانہ حیثیت اور خداداد صلاحیتوں کو قرار دیتی ہے۔ انہی صلاحیتوں اور دانش وبینش کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مصنفہ یہ اعتراف کرتی ہے۔

If we could view Muhammad as we do any other important historical figure we would surely consider him to be one of the greatest geniuses the world has known. To create a literary masterpiece to found a major religion and a new world power are not ordinary achievements.[۳۰]

۳۰- ایضاً، ص ۵۲

''اگر ہم حضرت محمدﷺ کی شخصیت کو کسی بھی دوسری اہم تاریخی شخصیت کے تقابل میں دیکھیں تو ہمیں لازمی طور پر انہیں دنیا کی ناموز، عظیم ترین ذہین شخصیت ماننا پڑے گا۔ عرب قوم کو علم و ادب میں یکتا کرنا، ایک عظیم مذہب کی بنیاد رکھنا اور اسے دنیا کی نئی عظیم قوت بنا دینا کوئی معمولی کامیابیاں نہیں ہیں۔''

غرض کہ پیغمبر اسلام کی حیاتِ اقدس کی تفصیلات کے بیان میں ایسا عقیدت مندانہ طرز تحریر ان کتب سیرت کا منفرد اور انتہائی مثبت پہلو ہے۔

(ب) قرآن حکیم کی محفوظیت اور جامعیت کا اقرار

مسلمانوں کی مقدس الہامی کتاب اور اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذ 'قرآن حکیم' کے متعلق مستشرقین کی طرف سے نہ ختم ہونے والے الزامات کا سلسلہ کئی صدیوں سے جاری ہے۔جس میں قرآن حکیم کو الہامی کتاب کی بجائے پیغمبراسلام کی ذاتی اختراع قرار دینا، اس کی آیات میں تحریف اور اس کی جمع و تدوین میں شکوک وشبہات وغیرہ شامل ہیں۔ استشراق کی اس غیر علمی اور متعصب روایت سے پہلو تہی کرتے ہوئے، مصنّفہ نہ صرف ان الزامات کا رد کرتی ہے بلکہ قرآن حکیم کی محفوظیت، اس کی اثر پذیری اور جامعیت کا بارہا اقرار کرتی ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی محفوظیت کے حوالے سے مصنّفہ لکھتی ہے۔

Muhammad's converts eagerly awaited each new revelation; after he had recited it, they would learn it by heart, and those who were literate wrote it down. They felt moved and stirred by the exquisite language of their scripture, which, they were convinced, could only have come from God.(۳۱)

''حضرت محمدﷺ کے متّبعین (صحابہ کرامؓ) بڑے اشتیاق سے (رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی) نئی وحی کا انتظار کرتے اور جونہی (نزولِ وحی کے بعد) رسول اللہﷺ آیات کی تلاوت فرماتے وہ (صحابہ کرامؓ) اسے حفظ کر لیتے اور جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، وہ ان آیات کو لکھ لیتے۔

۳۱- ایضاً، ص ۴۸-۴۹

وہ اپنے (مقدس) صحیفے کی بے حد شاندار زبان سے بڑے مرعوب تھے۔
اور دل سے قائل تھے کہ (زبان کا) ایسا لہجہ صرف خدا تعالیٰ ہی اختیار کر
سکتے ہیں۔''

واقعہ غرانیق العلیٰ کے پس منظر میں مستشرقین کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات اور شکوک و شبہات کا جواب دیتے ہوئے، قرآن حکیم میں کسی بھی قسم کی ممکنہ انسانی تحریف کے امکانات کا رد کرتے ہوئے مصنفہ واضح کرتی ہے۔

The Qur'an makes it clear that no mere mortal can change the divine words and that if Muhammad ever took such an initiative the consequences would be fatal.(۳۲)

''قرآن اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کوئی بھی فانی انسان قرآن کے
الہامی الفاظ کو تبدیل کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ (استطاعت نہیں رکھتا)
اور یہ کہ اگر حضرت محمد ﷺ نے ایسا کچھ کیا بھی ہوتا تو نتائج بے حد
خوفناک ہوتے۔''

مصنفہ نے کتب سیرت میں اعجاز القرآن کے مختلف پہلوؤں پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس ضمن میں ایک مقام پر وہ یوں لکھتی ہے۔

It (Qur'an) was so new and so powerful in its effect that its very existence seemed a miracle, beyond the reach of normal human attainment. Muhammad's enemies are challenged to produce another work like it; its unique character was proof of its divine origin and its verses were'signs' providing a sacramental encounter with God.(۳۳)

''یہ بالکل نیا اندازِ اسلوب اتنا پُر تاثیر تھا کہ اس کا وجود ایک معجزہ دکھائی

۳۲- ایضاً، ص ۱۱۶

۳۳- ایضاً، ص ۱۲۶

دیتا تھا جو کہ عام انسانی تخلیق سے ماورا تھا۔ حضرت محمدﷺ کے دشمنوں کو یہ کھلا چیلنج تھا کہ اس (قرآن کریم) کی طرز میں کچھ لکھ دیں۔ اس کی منفرد خصوصیت ہی اس کے الہامی ہونے کا ثبوت تھی ، اور اس کی آیات خدا کے ساتھ مقدس گفتگو کا اشارہ دیتی تھیں۔"

قرآن حکیم کے اسلوب پر مستشرقین کی طرف سے کی گئی جرح و نقد کے جواب میں مصنّفہ نے مفصّل و مدلّل مباحث کے علاوہ اس کی اثرپذیری کے حوالے سے متعدد تاریخی واقعات بھی مفصّل پیش کیے ہیں[۳۴]۔

اس کے علاوہ شریعت اسلامی کے دوسرے اہم ماخذ احادیث نبویﷺ کی محفوظیت اور جمع و تدوین کے متعلق مستشرقین کے الزامات کے حوالے سے بھی مصنّفہ نے سیر حاصل اور مدلّل جوابات پیش کیے ہیں[۳۵]۔

(ج) اسلامی عبادات و تعلیمات کی تحسین و تعارف :

مصنّفہ نے کُتبِ سیرت میں اسلامی تاریخی واقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے مغربی قارئین کے لیے اسلامی عبادات و تعلیمات کا بھی عمدہ تعارف پیش کیا ہے۔ عبادات میں نماز، زکوٰۃ، حج[۳۶] اور معاشرتی تعلیمات میں اخوّت و مساوات جیسی اہم اور بنیادی معاشرتی اقدار پر مفصّل بحث پیش کی ہے جو اسلامی معاشرے کے نمایاں خدو خال کی نمائندہ ہیں۔ مثلاً اسلام کی اوّلین اور لازمی عبادت صلوٰۃ کے قیام کی علّت و ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے مصنّفہ رقم طراز ہے۔

> Salat interrupted their ordinary business and helped them to remember that Allah was their first priority. It was very difficult for men and women schooled in the muruwah ethos to grovel like slaves, and many of the Quraysh were offended by this abject posture. But the physical routine of salat symbolized the surrender (Islam) of their entire being to Allah. It taught their bodies at a level deeper than the rational

---

۳۴- ایضاً، ص ۱۲۷؛ ***Muhammad: Prophet***، ص ۵۹

۳۵- ایضاً، ص ۴۷-۴۹

۳۶- ایضاً، ص ۲۵۳-۲۵۴

to lay aside the self- regarding impulse to prance and preen arrogantly. A muslim was a man or a woman who had made this act of submission and was proud to be God's slave.(۳۷)

''نماز ان کے روزمرہ کاروبار زندگی میں مداخلت کرتی اور انہیں یہ بات یاد کرانے میں مدد دیتی کہ اللہ (کی یاد) ان کی اولین ترجیح تھی۔ مروہ کے تربیت یافتہ مرد وزن کے لیے غلاموں کی طرح زمین پر سر جھکانا بے حد مشکل تھا۔ اور بہت سے قریش اس تحقیر آمیز انداز سے ناراض ہوئے۔ لیکن نماز (کی ادائیگی) کا جسمانی معمول ان کے لیے اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے سامنے جھکا دینے کی علامت تھا۔ یہ انہیں ایک ایسے تجربے سے روشناس کراتا تھا جو کہ (شعور کی) منطقی سطح سے کہیں زیادہ گہرائی کے ساتھ ان کی روح اور جسم کو فخر، غرور اور تکبر سے پاک کرتا تھا۔ ایسا ہی کوئی مرد اور عورت مسلمان کہلا سکتا تھا، جس نے اطاعت کا یہ انداز اپنا لیا تھا اور جو خدا کا غلام بننے پر فخر مند تھا۔''

اس تبصرے سے مصنّفہ نے نماز جیسی اہم عبادت سے حاصل ہونے والی اس ذہنی کیفیت کو بیان کیا ہے جو اس سے مقصود بالذّات ہے۔ یعنی انسان کا (ذہنی و جسمانی) مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دینا اور اپنی روح اور جسم کو فخر و تکبّر جیسے رذائل اخلاق سے پاک کرنا ہی اسلامی تعلیمات کا بنیادی ماحصل ہے۔ چونکہ یہ رذائل اخلاق زمانہ جاہلیت کی طرح موجودہ دور کے تمام انسانی معاشروں میں پوری شدّ و مد کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور معاشروں کی شکست و ریخت اور اقوام کی اخلاقی تنزّلی کا باعث ہیں لہٰذا مصنّفہ نے اہل مغرب کے ذہنوں میں آج کے مسلمانوں کے کردار اور اسلامی تعلیمات کے مسخ شدہ تأثر کو زائل کرنے کے لیے ان عبادات میں پائی جانے والی اصل حکمت کو بیان کیا ہے۔

اسلامی معاشرتی نظام کے ایک انتہائی اہم پہلو مساوات اور سادہ طرز زندگی کو سراہتے ہوئے مصنّفہ لکھتی ہیں کہ دولت کی نمود ونمائش کو غیر اسلامی قرار دیا گیا ہے۔ خود پیغمبر اسلام نے انتہائی کسمپرسی میں سادہ زندگی گزاری جبکہ وہ عرب کے سب سے بڑے صاحب اقتدار سیّد تھے۔ وہ تعیّشات سے نفرت کرتے تھے اور بعض

۳۷- *Muhammad: Prophet*، ص ۶۴- ۶۵

اوقات تو ان کے گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہ ہوتا تھا۔ جب بھی آپ کو تحائف یا مالِ غنیمت حاصل ہوتا، اسے غریبوں میں بانٹ دیتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی اکثر یہ بات دہراتے کہ جنت کی بادشاہت میں غریب لوگ امیروں سے پہلے داخل ہوں گے (۳۸)۔

اس اسلامی معاشرتی اصول کی وضاحت میں مصنفہ لکھتی ہے۔

> In the umma society was to be organised on egalitarian principles; the same duties were required of everybody and there was to be no elite or hierarchy of priests and monks. Alms giving would seek to close the gulf between rich and poor, and to free a slave was a virtuous deed. In principle everybody in the umma would be treated in the same way: if love could neither prevail nor be enforced, justice and equality could be legislated for. It does seem as though the Qur'an and, later, Islamic Holy Law (shari'a) did help Muslims to cultivate a deeply egalitarian spirit.(۳۹)

> ''مسلم امت میں معاشرے کی تنظیم و تشکیل کی بنیاد مساوات کے اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ ہر فرد پر یکساں فرائض عائد کیے گئے تھے۔ اور اس معاشرے میں کسی قسم کے رؤسا یا ولیوں اور راہبوں جیسی کوئی تقسیم نہ تھی۔ صدقہ و خیرات کرنے کا مقصد غریب اور امیر کے درمیان موجود خلیج کو پاٹنا تھا۔ اور غلام کو آزاد کرنا نیکی کا کام تھا۔ اگر (لوگوں میں) باہم محبت موجود نہ ہو یا لاگو نہ ہو سکے تو انصاف اور مساوات کے قوانین لاگو کر کے پیدا کی جا سکتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن اور پھر مقدس اسلامی قوانین (شریعت) نے مسلمانوں میں مساوات کی روح پروان چڑھانے

۳۸- ***Muhammad: A Biography***، ص ۹۳

۳۹- ایضاً، ص ۲۲۹

میں مدد کی۔"

گو یا کہ مصنّفہ اس بات کو تسلیم کر رہی ہے کہ عیسائیت میں پائی جانے والی معاشرتی و مذہبی درجہ بندی کے برعکس، اسلامی معاشرے میں حقوق و فرائض کے حوالے سے مکمل طور پر مساوات اور برابری کے رویّے کو فروغ دیا گیا تھا۔ یہ معاشرتی اقدار نہ صرف مدینہ کی نوزائیدہ مسلم اُمّت کے لیے اہم ثمرات کی حامل تھیں۔ بلکہ موجودہ دور میں بھی طبقاتی اور معاشی تفاوت میں منقسم معاشروں میں بھائی چارے اور محبت و آشتی کا پیغامبر ہوسکتی ہیں۔

اسی طرح ایک اور اسلامی معاشرتی روایت اخوت اور بھائی چارے کے متعلق مصنّفہ بیان کرتی ہے کہ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد حضرت محمدﷺ نے امت کے تمام افراد میں اخوت اور بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دیا اور مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا کر برادرانہ رشتے میں منسلک کر دیا[۴۰] اس اسلامی روایت کے تعارف میں مصنّفہ لکھتی ہے۔

> It is possible to see the egalitarian ideal of Islam as a practical way of fostering brotherly love by reducing all men to the same social and political level.[۴۱]
>
> "اسلام کے معاشرتی مساوات کے اصول کو ہم اس تناظر میں دیکھ سکتے ہیں کہ اس سے تمام لوگوں کو معاشرتی اور سیاسی سطح پر برابری کا اصول اپناتے ہوئے بھائی چارے اور اخوت کی تعلیم دینا ممکن ہو جاتا ہے۔"

مصنّفہ اسلامی اخوت کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کا مغربی طرز حکومت سے تقابل بھی پیش کر رہی ہے کہ حضرت محمدﷺ نے مسلمانوں کے لیے جس طرز حکومت کو پسند کیا تھا، اس میں تمام قبائلی وابستگیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کو صرف ایک مذہبی رشتے اور بھائی چارے میں پرو دیا تھا۔ جب کہ جدید مغربی طرز حکومت میں عوام کو پھر سے مختلف قومیّتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو کہ مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول ہے[۴۲] گویا کہ مسلمانوں کا اہل مغرب کے طرز حکومت سے نظریاتی اختلاف مذہبی تعصب کی بجائے اپنی بنیادی تعلیمات سے وابستگی کا اظہار ہے، ایک مغربی سکالر کے قلم سے اسلامی معاشرتی اقدار کی تحسین آفرینی اور انہیں موجودہ دور کے مشرقی و مغربی معاشروں میں ترویج دینے کی ضرورت

۴۰- ایضاً، ص ۲۳۰

۴۱- ایضاً

۴۲- ایضاً

پر اصرار اس کے احقاقِ حق کی نشاندہی ہے۔

(د) تعدّد ازواج کی علّت

اہل اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے حوالے سے مسئلہ تعدّد ازواج پر تنقید ہمیشہ سے مستشرقین کا مرغوب موضوع رہا ہے۔ کیرن نے اپنی کتب میں اس موضوع پر کھل کر بحث کی ہے۔ اس ضمن میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ اہل مغرب مسلمانوں کے لیے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت کو خالصتاً نفسانی خواہش کے تابع خیال کر کے اس پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ مشہور فلمیں جیسے 'حرم' مسلمان شیوخ کی شہوانی زندگی کے مسخ شدہ حقائق پر مبنی ہیں جس میں حقیقت سے کہیں زیادہ مغربی خیالات و تصورات کو پیش کیا گیا ہے(۴۳)۔ اسی طرح مغربی ناقدین یہ اعتراض بھی اٹھاتے ہیں کہ قرآن حکیم میں مسلمانو ں کو بیک وقت صرف چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے، جبکہ پیغمبر اسلام کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا حضرت محمد ﷺ پر (نعوذباللہ) شہوانیت پرستی کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ (جن کا مصنفہ نے اپنی تصنیف Muhammad: A Biography of the Prophet کے پہلے باب میں تفصیلاً تذکرہ کیا ہے)(۴۴)۔

مغربی ناقدین کے ان اعتراضات کا مدلل جواب دیتے ہوئے مصنفہ واضح کر تی ہے کہ اس دور کی عرب دنیا میں ایک شادی کی روایت ناپید تھی۔ زیادہ شادیاں کرنا عزت وقار کی علامت تھا۔ ایک قبائلی معاشرے میں کثرت ازواج ناگزیر ہوجاتی ہے۔ جبکہ بنواسرائیل کے انبیاء کرام حضرت داؤدعلیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بے حد وسیع حرم کے حوالے سے بائبل بھی کچھ زیادہ محتاط نہیں ہے۔ ان کے سامنے پیغمبر اسلام کا تعدّدازواج کا معاملہ تو بالکل بے ضرر سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ حضرت محمد ﷺ (نعوذ باللہ) جنسی لذّت پسندی میں مبتلا تھے(۴۵)۔ اس موضوع پر مصنّفہ نے آنحضرت ﷺ کی تمام شادیوں کے اسباب و واقعات کو مفصّل تجزیاتی مباحث میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ اس موضوع پر اس نے اپنی رائے یوں دی ہے۔

> These Marriages were not romantic or sexual love affairs but were undertaken largely for practical ends.(۴۶)

۴۳- ایضاً، ص ۱۹۰

۴۴- ایضاً، ص ۲۴، ۳۶، ۳۷

۴۵- ایضاً، ص ۱۴۵

۴۶- ***Muhammad: Prophet***، ص ۱۰۴-۱۰۵

’’آپ ﷺ کی یہ شادیاں رومانوی یا جنسی معاملات نہیں بلکہ وسیع المقاصد عملی ضروریات کے تحت کی گئی تھیں۔‘‘

مصنّفہ نے اپنی اس رائے کو مزید اس طرح واضح کیا ہے۔

Muhammad's marriages usually had a political aim. He was starting to establish an entirely different kind of clan, based on ideology rather than kinship, but the blood tie was still a sacred value and helped to cement this experimental community.(۴۷)

’’حضرت محمد ﷺ کی شادیاں عموماً سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے تھیں۔ وہ مکمل طور پر مختلف قسم کے قبیلے کی بنیاد رکھنے والے تھے۔ جو کہ خونی قرابت داری کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر قائم ہو رہا تھا۔ لیکن خونی رشتہ اب بھی ایک مقدس قدر تھی۔ اور اس نے تجرباتی جماعت (امت) کو مضبوط بنانے میں مدد دی تھی۔‘‘

اسی طرح مسلمانوں کو بیک وقت چار شادیوں کی اجازت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے مصنّفہ نے اس کے حکم و مصالح اور شرائط پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ مصنّفہ کی رائے میں مسلمانوں کو بیک وقت چار بیویوں کو رکھنے کی اجازت کسی عیاشی کے طور پر نہیں بلکہ سنگین سماجی مسائل کے حل کے طور پر دی گئی تھی۔ اس حکم میں کارفرما حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنّفہ رقم طراز ہے۔

Polygamy was designed to ensure that unprotected women would be decently married, and to abolish the old loose, irresponsible liaisons; men could have only four wives and must treat them equitably; it was an unjustifiably wicked act to devour their property. The Qur'an was attempting to give women a legal status that most western women would not

---

۴۷- ایضاً، ص ۱۰۵

enjoy until the nineteenth century.[۴۸]

''کثیرالازواجی کا مقصد اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ بے یارومددگار عورتوں کی مہذب انداز میں شادی ہو اور پرانی' آزادانہ اور غیر ذمہ دارانہ آشنائیوں کا خاتمہ ہو۔ مرد (بیک وقت) صرف چار بیویاں رکھ سکتے اور ان کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کے پابند تھے۔ اور ان (عورتوں) کی جائیداد کو ہڑپ کرنا ناانصافی پر مبنی مکروہ فعل تھا۔ قرآن عورتوں کو ایک قانونی رتبہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو بیش تر مغربی خواتین انیسویں صدی تک بھی حاصل نہیں کر پائی تھیں۔''

کیرن کے قلم سے تعدّد ازواج کے مسئلے پر مغربی ناقدین کی تنقید کا صراحت کے ساتھ جواب، اکیسویں صدی کے مغربی سکالرز کے اسلام کے متعلق مثبت تحقیقی اور فکری رجحانات کا آئینہ دار ہے۔

(ر)اسلام میں حقوق نسواں

کیرن نے اپنی کتب سیرت میں اسلامی قوانین کے حوالے سے مسلم خواتین کے ان شرعی حقوق کو بھی موضوع بحث بنایا ہے، جن کے متعلق متعصّب مستشرقین کے ذریعے اہل مغرب کو ہمیشہ گمراہ کن معلومات ملتی رہی ہیں۔ اپنی اس علمی کم مائیگی کے باعث وہ اسلام کو عورتوں پر جبر و تشدّد کرنے والے مذہب کے طور پر جانتے ہیں۔

بقول کیرن اہل مغرب خود کو آزادی نسواں اور حقوق نسواں کے علمبردار اور بانی مبانی تصور کرتے ہیں،جبکہ اسلامی تعلیمات کے حوالے سے مسلم عورت کو انتہائی مظلوم ومجبور اور استحصال زدہ طبقے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اہل مغرب کے اس طرزِ فکر کے حوالے سے مصنّفہ لکھتی ہے کہ مغربی ناقدین اکثر خواتین کے حوالے سے قرآن حکیم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس کی تعلیمات خواتین سے غیر مساویانہ سلوک کی حامل ہیں۔ اور ان میں دوہرے معیار پائے جاتے ہیں۔ مثلاً قوانین وراثت، کہ عورتوں کو اپنے بھائیوں کی نسبت (جنہیں اپنی نئی زندگی شروع کرنے کے لیے مہر بھی ادا کرنا پڑتا ہے) نصف حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح قانون شہادت میں عورت کو گواہی دینے کی اجازت تو دی گئی ہے مگر مردوں کی نسبت ان کی گواہی نصف حیثیت کی حامل ہے[۴۹]۔

۴۸- ایضاً،ص ۱۴۷

۴۹- *Muhammad: A Biography*،ص ۱۹۱

ان تمام الزامات کے جواب میں مصنّفہ نے قرآن حکیم کی تعلیمات کے حوالے سے حقوق نسواں کو مفصّل بیان کیا ہے، جو ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان عورتوں کے علاوہ کسی بھی متمدّن مذہب ومعاشرے کی خواتین کو حاصل نہ تھے۔ اپنی مرضی سے شادی کا حق، خلع کے ذریعے خاوند سے علیحدگی کا حق، حق مہر، جہیز، کاروبار اور وراثت میں شراکت داری کے ذریعے معاشی حقوق، ایسے انقلابی اقدامات تھے جنہوں نے ساتویں صدی کی پسی ہوئی عورت کو مستحکم اور باوقار مقام عطا کیا(۵۰) ان حقائق کے اعتراف میں مصنّفہ لکھتی ہے۔

> In the context of the twentieth century when, we should remember, we are still campaigning for equal rights for women-this Qur'anic legislation does seem prohibitive. But in seventh century Arabia it was revolutionary. We must remember what life had been like for women in the Pre-Islamic period when female infanticide was the norm and when women had no rights at all. Like slaves, women were treated as an inferior species, who had no legal existence. In such a primitive world, what Muhammad achieved for women was extraordinary. The very idea that a woman could be a witness or could inherit anything at all in her own right was astonishing. We must also recall that in Christian Europe, women had to wait until the nineteenth century before they had anything similar: even then, the law remained heavily weighted towards men.(۵۱)

> ’’بیسویں صدی کے سیاق و سباق میں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب ہم ابھی تک عورتوں کے مساویانہ حقوق کی مہم چلا رہے ہیں۔ یہ

۵۰- *Muhammad: Prophet*، ص ۱۵۶

۵۱- *Muhammad: A Biography*، ص ۱۹۱

قرآنی قوانین ہمیں رکاوٹ دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ساتویں صدی کے عرب میں یہ انقلابی اقدامات تھے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زمانہ قبل از اسلام میں عورتوں کی زندگی کی کیا اہمیت تھی۔ جب بچیوں کو پیدائش کے وقت قتل کر دینا معمول کی بات تھی۔ اور جب عورت کو قطعاً کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ غلاموں کی طرح عورتوں کے ساتھ کسی گھٹیا مخلوق کا سا سلوک کیا جاتا' جس کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی۔ اس ابتدائی غیر مہذب دنیا میں حضرت محمدﷺ نے عورتوں کے لیے جو کچھ کیا' وہ غیرمعمولی اہمیت کا حامل تھا۔ عورتوں کا گواہ بننا یا اپنی مرضی سے وراثت بطورحق حاصل کرنا ایک حیران کن نظریہ تھا۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عیسائی یورپ میں عورتوں کو ایسے حقوق کے حصول کے لیے انیسویں صدی تک انتظار کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ تب بھی قانون کا جھکاؤ مردوں کی طرف ہی تھا۔''

مصنّفہ اسلام کے مغربی ناقدین کے اعتراضات کے جواب میں، مسلمان عورت کی اعلیٰ سماجی و قانونی حیثیت کا، نہ صرف قبل ازاسلام کی عرب عورت، بلکہ انیسویں صدی کی مغربی عورت کی سماجی حیثیت سے بھی تقابل پیش کر رہی ہے۔ اسلام نے چودہ سوسال قبل مسلم عورت کو جو سماجی و معاشی حقوق عطا کردیے تھے، وہ حقوق نسواں کے بظاہر علمبردار مغربی معاشرے نے انیسویں صدی تک اپنی خواتین کو حقیقی طور پر تفویض نہیں کیے تھے۔ عورتوں کے حوالے سے اس تحقیر آمیز رویّے کے متعلق مصنّفہ نے عیسائی مذہبی تعلیمات وروَایات کو تفصیلاً بیان کیا ہے جن میں عورتوں کو گھٹیا اور دوسرے درجے کی مخلوق کے طور پر پیش کیا گیا ہے[۵۲]۔

اہل مغرب کو جدید مغربی عیسائی عورت کی بے توقیری کا آئینہ دکھاتے ہوئے مصنّفہ رقمطراز ہے۔

> It is not fair to blame Muhammad and Islam for their misogyny, If muslim women today reject some of the freedoms that we feel we have offer them, this is not due to perversity but becuase the western view of women and the relations between the sexes is confused. We preach equality and liberation, but at

۵۲- ایضاً، ص ۲۳۹

the same time exploit and degrade women in advertising, pornography and much popular entertainment in a way that muslims find alien and offensive. (۵۳)

''عورتوں سے بیزاری (اور نفرت) کے معاملے میں اسلام اور حضرت محمدﷺ کو مورد الزام قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے۔ (ہمارے خیال میں) آج کی مسلمان عورت اس طرح کی آزادی کو خود ہی ٹھکرا رہی ہے جو کہ ہم (اہل مغرب) اسے پیش کر رہے ہیں۔ اس کا سبب اس کی گمراہی (یا کم عقلی) نہیں ہے بلکہ خواتین اور مرد وزن کے باہمی تعلقات کے بارے میں مغربی سوچ اور عمل اس کے سامنے بے حد مبہم اور کافی حد تک نامناسب تصویر پیش کرتے ہیں۔ ہم (اہل مغرب) خواتین کی آزادی اور برابری کے علمبردار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اشتہارات' فحش نگاری اور کئی قسم کی مقبول عام تفریحات کے ذریعے خواتین کی تذلیل کا جو سامان کرتے ہیں' مسلمان (خصوصاً خواتین) اسے نہ صرف ناپسند کرتے ہیں بلکہ ردعمل کا اظہار بھی کرتے ہیں۔''

یوں مصنفہ نے ان موضوعات کی عمدہ اور مثبت پیرائے میں وضاحت کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے متعلق اہل مغرب کے ذہنوں میں موجود اشکال و ابہام کو دور کرنے کی پرخلوص کوشش کی ہے۔

لفظ ''اُمّی'' کی وضاحت

مصنفہ قرآن پاک میں حضرت محمدﷺ کے لیے استعمال کیے گئے لفظ 'اُمّی' پر سیر حاصل بحث کرتی ہے۔ قرآن میں اکثر مقامات پر حضرت محمدﷺ کو 'اُمّی نبی' کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ یعنی 'ناخواندہ نبی' اور حضرت محمدﷺ کے بارے میں ان کی ناخواندگی کا یہ عقیدہ ان کے الہامی پیغام کے معجزانہ پہلو کی پرزور تائید کرتا ہے۔ تاہم کچھ مغربی سکالرز نے ان کے اس لقب پر تنقید کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ 'اُمّی' کا مطلب 'ناخواندہ' نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ تاجر ہونے کی حیثیت سے حضرت محمدﷺ نے شاید لکھنے کی کچھ نہ کچھ ابتدائی استعداد حاصل کرلی ہو۔ انہیں (اہل مغرب کو) یقین ہے کہ ان (حضرت محمدﷺ) کے اس دعویٰ سے

۵۳- ایضاً

مراد کہ وہ ان پڑھ (ناخواندہ) لوگوں کے نبی تھے (درحقیقت یہ بھی مستشرقین کی 'اُمّی' کے بارے میں ایک اور خود ساختہ تاویل ہے)۔ وہ لوگ تھے جن پر اس سے قبل خدا کا کبھی کوئی صحیفہ نازل نہیں ہوا تھا۔ اس نقطہ نظر سے 'اُمّی' سے مراد غیر یہودی نسل کے لوگوں کا نبی تھا۔ اسی طرح کچھ اور مصنفین نے اس موضوع پر آگے بڑھتے ہوئے انتہائی غلط تاویل پیش کی ہے' ان کا کہنا ہے کہ 'اُمّی' لفظ 'اُمّہ' سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا مطلب ہے امت یا قوم اور اس طرح اس لقب کا مطلب بنتا ہے 'اپنی قوم کا نبی'(۵۴)۔

مصنفہ مغربی مصنفین کی ان توجیہات کا جواب دیتے ہوئے واضح کرتی ہے کہ لفظ 'اُمّی' اور 'اُمّہ' کا معنی کے اعتبار سے آپس میں دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے نزدیک بھی لفظ 'اُمّی' کی یہ تاویلات انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ ان تاویلات کے پیچھے کارفرما مذہبی تعصّبات کا پردہ اٹھاتے ہوئے مصنفہ مغربی مصنفین کی ذہنیت واضح کرتی ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہم یہی دیکھ رہے ہیں کہ اہل مغرب اس بات کو ماننے کیلئے کسی طرح بھی تیار نہیں ہیں کہ حضرت محمدﷺ ایک اصلی اور حقیقی پیغمبرانہ حیثیت کے مالک تھے۔ (کیونکہ اہل مغرب کے نزدیک اسلام دراصل عیسائیت کی ہی بگڑی ہوئی بدعتی' شکل ہے)(۵۵)۔

مصنفہ اہل مغرب کے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے خیال ظاہر کرتی ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ لفظ 'اُمّی' کی اسلامی روایتی تعبیر کو چیلنج کرنا انتہائی غیرمنطقی دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ سیرت کے بنیادی مآخذ میں کبھی بھی حضرت محمدﷺ کے لکھنے پڑھنے کا ذکر موجود نہیں ہے۔ انہیں جب کبھی مراسلہ نگاری کی ضرورت ہوتی تو وہ کسی دوسرے پڑھے لکھے شخص' جیسے حضرت علیؓ، کو املاء کرواتے۔ ان کا اپنے پڑھنے لکھنے کی صلاحیت کو ساری زندگی چھپائے رکھنا ایک بہت بڑا دھوکہ ہوتا اور اس فراڈ کو' غیراخلاقی حرکت ہونے کے علاوہ' اتنے لمبے عرصے کے لیے برقرار رکھنا بھی ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ خصوصاً جب وہ ہروقت اپنے لوگوں کے درمیان گھرے رہتے تھے(۵۶)۔ اس مسئلے کی وضاحت میں ایک اور اہم پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے مصنفہ اس بحث کو یوں سمیٹتی ہے:

> "The interpretation of ummi as illiterate is very early indeed: it is also of great importance to Muslims. It

---

۵۴۔ ایضاً، ص ۸۸

۵۵- ایضاً

۵۶- ایضاً

has rather the same symbolic significance as the notion of the Virgin Birth in Christianity, emphasising the purity required of a man or woman who brings the Word of God to mankind: the revelation must not be qualified by purely human input." (۵۷)

''درحقیقت لفظ 'اُمّی' کیلئے ناخواندہ کی تعبیر بہت ابتدائی زمانے سے ہے اور پیغمبر اسلام کا یہ لقب مسلمانوں کے مذہبی اعتقاد میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ دراصل اس کی اہمیت (اسلام میں) ایسی ہی ہے جیسا کہ عیسائیت میں حضرت مریم علیہ السلام کا کنوارا ہونا۔ جس طرح حضرت مریم علیہ السلام کو (حضرت عیسیٰ کو پیدا کرنے کے لیے) انسانی آلودگی سے دور رکھا گیا اس طرح حضرت محمد ﷺ کو بھی وحی جیسے خالص آسمانی تجربے سے روشناس کرنے کے لیے زمینی علم سے دور رکھا گیا۔ تاکہ الہامی الفاظ کا تقدس اور حرمت برقرار رہے۔''

گویا کہ حضرت محمد ﷺ کو 'اُمّی' (ناخواندہ) رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ خاص حکمت پنہاں تھی کہ بعد ازاں قرآن کریم جیسے معجزہ نما الہامی کلام میں کسی قسم کے انسانی علوم یا الفاظ کی آمیزش کا دور دور تک امکان باقی نہ رہے۔ اس مثال سے کیرن نے مغربی اہل قلم کو 'نبی امی' کی اصطلاح پر تنقید کا (اپنی مذہبی روایت سے) پر مدلل جواب پیش کیا ہے۔

اسی نہج پر متعدد موضوعات کے حوالے سے مصنّفہ نے پُرمغز اور تجزیاتی مباحث کے ذریعے اسلامی تعلیمات واحکامات کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔ جو اہل مغرب اور اہل اسلام کے درمیان دوستانہ روابط اور ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔

۳-کیرن کی کتب سیرت میں فروگذاشتیں

کیرن کی کتب سیرت میں بیشتر محاسن کے باوجود، بعض مقامات پر مصنّفہ فکروفہم کی غلطی اور ابہام کا

۵۷- ایضاً

شکار ہوئی ہیں۔ اسلامی تاریخ اور تعلیمات کا دقیق مطالعہ رکھنے کے باوجود مصنّفہ کچھ موضوعاتِ قرآن حکیم کی حقیقی تفہیم پیش کرنے سے قاصر رہی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ مقامات پر مصنّفہ روایتی اسلامی موقف سے قدرے اعراض وانحراف کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ہم چند مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۱- حدیث 'الغرانیق العلیٰ' اور مستشرقین

کیرن نے اپنی کتاب Muhammad:A Biography of the Prophet میں The Satanic Verses (شیطانی آیات) کے عنوان سے 'حدیث الغرانیق' کے متنازعہ واقعہ کو طبری کے حوالے سے تفصیلاً بیان کیا ہے(۵۸)۔ دراصل کچھ مستشرقین مختلف قسم کے مشرقی علوم خصوصاً (اسلامی شریعت کے بنیادی مآخذ) قرآن اور حدیث پر سنجیدگی سے تحقیقی کام کرتے رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں بے شمار گرانقدر خدمات بھی انجام دی ہیں۔ مگر عمومی طور پر یہ مستشرقین ان بنیادی اسلامی علوم میں بظاہر علمی تحقیق کے نام پر تشکیک کے بیج بو کر اسلامی شریعت کی بنیادوں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ اسلامی تعلیمات و واقعات کی تفسیر میں بیان کردہ روایات کو اپنے من پسند مفروضوں اور تاویلات سے مزیّن کر کے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان کے مغربی قارئین تو ایک طرف، بسا اوقات اہل اسلام بھی قرآن وحدیث کی محفوظیت اور قطعیت کے حوالے سے شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے(۵۹)۔

اسلام کے مغربی ناقدین میں 'The satanic Verses' (شیطانی آیات) کے نام سے معروف اس واقعہ کو ولیم میور (William Muir) تھیوڈر نولڈیک (Theodor Noldeke) جیسے ابتدائی مصنفین اور پھر ولیم مونٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) نے سیرت رسول اللہ ﷺ پر لکھی گئی اپنی تصنیفات میں الطبری اور ابن سعد کی روایات کے حوالے سے مفصل بیان کیا ہے(۶۰)۔ جبکہ ابن اسحاق (م/۱۵۰ھ)، ابن ہشام

۵۸- الطبری، محمد بن جریر جامع البیان فی تفسیر آی القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربیہ، ۲۰۰۱ء/۱۴۲۱ھ، ۲۱۹/۱۷-۲۲۱

۵۹- اسلامی ادب کے بنیادی مآخذ میں اس واقعہ کو 'حدیث الغرانیق' یا 'روایت الغرانیق' کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ ولیم میور (William Muir) غالبًا وہ پہلا مستشرق تھا جس نے اس واقعہ کو ''شیطانی آیات'' کا نام دیا۔

۶۰- ولیم منٹگمری واٹ (William Montegomery Watt) نے اپنی کتاب ۱۹۶۰ء Muhammad at Mecca، Oxford میں تقریباً آٹھ سے زائد صفحات (ص ۱۰۱-۱۰۹) اس واقعہ کے بیان اور اس کے تجزیے کے لیے وقف کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی درج ذیل تصنیفات میں بھی اس قصہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ What is Islam?، Longman and Librairie du Liban، ۱۹۶۸ء، ص ۴۲-۴۵، The Introduction to the Quran، از Richard Bell، اوور مکرر اشاعت از W.M.Watt، (Edinburgh, 1970)، ص ۵۵-۵۶

(م/۲۱۸ھ)، السہیلی (م/۵۸۱ھ)، ابن کثیر (م/۷۷۴ھ)، قاضی عیاض (م/۵۴۴ھ)، القرطبی (م/۶۷۱ھ)، العینی (م/۸۵۵ھ) اور الشوکانی (م/۱۲۵۰ھ) جیسے اسلامی تاریخ کے قدماء مورخین اور متاخرین علماء کرام جیسے علامہ ناصر الدین البانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ، سید قطب شہیدؒ اور محمد حسین ہیکل نے اس بے بنیاد کہانی کو رد کیا ہے[۶۱]۔

مصنفہ نے اس موضوع کے حوالے سے اسلام دشمن ناقدین کے الزامات کا ذکر کیا ہے کہ اس واقعہ کے حوالے سے اہل مغرب حضرت محمد ﷺ کے پیغمبرانہ کردار پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

ایسا شخص جو الہامی الفاظ کو اپنی خواہشات کے مطابق تبدیل کردے، کیسے سچا نبی ہوسکتا ہے؟

کیا ایک حقیقی اور اصلی نبی کو الہامی اور شیطانی الفاظ میں تمیز کرنے کے قابل نہ ہونا چاہیے تھا؟

کیا اللہ کے پیغمبر کو زیادہ لوگوں کو دائرہ دین میں داخل کرنے کے لیے الہامی الفاظ کو بدل لینا چاہیے؟ وغیرہ وغیرہ[۶۲]۔

اس تنقید کے حوالے سے اہل اسلام کا موقف بیان کرتے ہوئے مصنفہ لکھتی ہے کہ اہل مغرب کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مسلمان اس کہانی کو بے بنیاد اور غیر مصدّقہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے نقطۂ نظر کی یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ اس واقعہ کا قرآن کریم میں سرے سے کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور پھر یہ کہ اسلامی تاریخ کے اوّلین اور سب سے اہم سیرت نگار ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی نویں صدی عیسوی کے عظیم محدّثین کرام کی کتب حدیث 'صحیح بخاری' اور 'صحیح مسلم' میں ان کا کہیں ذکر ملتا ہے۔ مسلمان اس واقعہ کا صرف اس لیے انکار نہیں کرتے کہ اس سے ان کے دین پر تنقید کا

۶۱- مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی درج ذیل تصنیفات میں اس واقعہ کی تفصیلات، تجزیہ اور اس کا ردّ پیش کیا ہے، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، (لاہور، ۱۹۸۲ء)، ج۳، ص۲۴۰-۲۴۵ ؛ **سیرت سرور عالم ﷺ**، ادارہ ترجمان القرآن، (لاہور، ۱۹۷۹ء)، ج۲، ص۵۷۲-۵۷۸، اسی واقعہ کی تفصیلات، تجزیہ اور رد کے لئے مزید دیکھیے: سید قطب، **فی ظلال القرآن**، (بیروت، ۱۹۷۴)، ج ۴، ص۲۴۳۱-۳۳؛ ***The Life of Muhammad***، از M.H. Haykal، ترجمہ، از R-al-Faruqi (North American Trust Publication, 1976.)، ص ۱۰۵-۱۴

علامہ البانی، ناصر الدین، نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرانیق، مطبوعہ ۱۹۵۲ء۔ (اس رسالے کے اردو ترجمہ اور تلخیص کے لیے درج ذیل مقالے کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔)

نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرانیق، ترجمہ و تلخیص: محمد ثناء اللہ ندوی، قصہ غرانیق العلیٰ پر ایک نظر، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اپریل۔ جون ۱۹۸۹ء، ص۱۰۴-۱۱۶۔

۶۲- ***Muhammad: A Biography***، ص ۱۱۱

پہلو نکلتا ہے، بلکہ اس کی وجہ اس روایت کا پایہ صحت سے ساقط ہونا ہے(۶۳)۔
واقعہ کی تفصیلات کے بعد مصنّفہ اپنا ذاتی تبصرہ یوں بیان کرتی ہے۔

Even as it stands in Tabari's history the story of the satanic verses does not suggest that Muhammad was making a cynical compromise. The tradition says that when Muhammad heard that the verses he had uttered had been inspired by the Shaitan, he was devastated. But, Tabari says, God had immediately comforted him by sending down a revelation which told him that all the previous prophets had made similar 'Satanic mistakes'. This was not a disaster, because God always improved matters by sending down replacement verses which were far superior to the ones that had to be discarded.(۶۴)

''جیسا کہ طبری کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ شیطانی آیات کی کہانی سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت محمدﷺ قریش مکہ سے کسی ذاتی مفاد کے لیے کوئی سمجھوتہ کر رہے تھے۔ بلکہ روایت بتاتی ہے کہ جب حضرت محمدﷺ نے یہ سنا کہ انہوں نے شیطان کے زیر اثر کچھ آیات تلاوت کر دی تھیں تو وہ دہل کر رہ گئے۔ لیکن' طبری بیان کرتے ہیں کہ' اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر نزول وحی سے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ جس میں انہیں بتایا گیا کہ گزشتہ تمام انبیاء سے ایسی غلطیاں ہوتی رہی ہیں(جن کا مجرم شیطان تھا)۔ یہ کسی تباہی کا پیش خیمہ نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ناسخ آیات کے نزول سے معاملات کو بہتر بنایا ہے جو منسوخ ہونے والی آیات سے بدرجہا افضل ہوتی ہیں۔''

اسی واقعہ کے ضمن میں قرآن حکیم کی محفوظیت کے حوالے سے مصنّفہ نے متعدد آیات قرآنی کا حوالہ

۶۳- ایضاً

۶۴- ایضاً، صفحہ ۱۱۵

پیش کیا ہے(۶۵)۔ قدما مستشرقین کی آرا کی پیروی میں مصنّفہ نے اس واقعہ کے بیان میں مختلف توجیہات پیش کی ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے جمہور علماء کرام کی آراء کی روشنی میں اس واقعہ کی وقوع پذیری کا مطلق ردّ نہیں کیا، مگر روایتی شکوک وشبہات کی بجائے مغربی ناقدین کی تنقید کے جواب میں اپنے تئیں اسلامی موقف کا دفاع کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ لیکن شومئی قسمت کہ مصنّفہ واقعہ کی اصلیت کو تحقیقی و معروضی انداز میں جانچنے اور اسلامی نقطہ نظر سے بیان کرنے سے قاصر رہی ہے۔

ب۔ واقعہ اسرا ومعراج

کیرن نے اسلامی تاریخ کے اہم واقعہ، اسرا ومعراج، پر اپنی کتب میں مفصل بحث کی ہے(۶۶) اس موضوع پر اسلامی روایات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ مصنّفہ نے ذاتی فلسفیانہ خیالات کا بھی اظہار کیا ہے۔ دونوں کتب سیرت میں اس بحث کو تفصیلاً پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ واقعہ اسرا کے حوالے سے کیرن کی معلومات غالباً غیر مستند مصادر سے اخذ شدہ ہیں۔ مثلاً وہ اپنی کتاب میں (اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرے کے بعد) تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

> The Qur'an is reticent about this vision. He saw only God's signs and symbols not God himself, and later mystics emphasized the paradox of this transcendent insight, in which Muhammad both saw and did not see the divine essence.
>
> Later muslims began to piece together these fragmentary references to create a coherent narrative. Influenced perhaps by the stories told by Jewish mystics of their ascent through the seven heavens to the throne of God, they imagined their prophet making a similar spiritual flight.(۶۷)

۶۵- القرآن، ۱۷:۱، ۱۷:۶۱، ۱۹:۱۰۱، ۱۳:۳۷، ۲:۱۰۰، ۲۲:۵۲، ۱۷:۸۶

۶۶- ***Muhammad: A Biography***، ص ۱۳۸-۱۴۲؛ Muhammad: Prophet ص ۹۳-۹۸

۶۷- ***Muhammad: Prophet***، ص ۹۵

''قرآن اس رویت کے بارے میں زیادہ تفصیل بیان نہیں کرتا۔ حضرت محمد ﷺ نے صرف خدا کی نشانیاں اور علامات دیکھیں۔ بذات خود خدا کو نہیں دیکھا۔ اور بعد کے صوفیاء نے اس ماورائی بصیرت کے متناقض بالذات عنصر پر زور دیا کہ حضرت محمد ﷺ نے الٰہیاتی جوہر کو دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھا۔ اور بعد ازاں مسلمانوں نے ان جزوی حوالوں کو جوڑ کر ایک مربوط کہانی تشکیل دی۔ شاید سات آسمانوں سے گزر کر خدا کے تخت تک پہنچنے کے حوالے سے یہودی صوفیاء کی کہانیوں کے زیر اثر انہوں نے تصور کیا کہ پیغمبر اسلام بھی اسی قسم کی روحانی معراج پر گئے ہوں گے۔''

مصنّفہ نے واقعہ اسرا کے واقعات کو (مکالمہ بین المذاہب کی داعیہ ہونے کے ناطے اپنی فکر کے مطابق) سامی مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) میں اجتماعیت پسندی اور مذہبی رواداری کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس شعوری کوشش میں اس نے بہت سے غیر متعلق عناصر کو باہم مربوط کر دیا ہے۔ مثلاً:

۱- یروشلم (عیسائیوں اور یہودیوں کا مقدس شہر) کی خصوصیت سے تصریح کی ہے۔

۲- مصنّفہ کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں نے اس واقعہ کے جزوی حوالوں کو جوڑ کر ایک مربوط کہانی تشکیل دی ہے۔

۳- واقعہ اسرا کو یہودی مآخذ تصوّف سے اخذ شدہ قرار دیا ہے۔

۴- عدم رؤیت خداوندی کا دعویٰ کیا ہے۔

۵- مصنّفہ نے (غالباً عیسائی مذہبی معلومات رکھنے کی وجہ سے) نظریہ حلول کو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ لہٰذا واقعہ اسرا کے حوالے سے مصنّفہ کی بیان کردہ تفصیلات سے یہ تأثر نمایاں ہوتا ہے کہ یہ کوئی دیومالائی اور اسطوری حیثیت کا ایک واقعہ ہے۔ جو اس موضوع پر موصوفہ کی ناکافی معلومات کا شاخسانہ ہے۔

ج۔قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب:

مصنّفہ نے اپنی کتاب Muhammad: A biography of the Prophet میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی موجودہ ترتیب آنحضرت ﷺ کے وصال کے تقریباً بیس سال بعد ۶۵۰ء میں ،

حکومتی سطح پر اختیار کی گئی ۔ اپنے اس موقف کی وضاحت میں کیرن لکھتی ہیں۔

As it stands, the Qur'an does not present the various suras in the order in which they were uttered by Muhammad. When the first official compilation of the Qur'an was made in about 650, some twenty years after Muhammad's death, the editors put the longer suras at the beginning and the shortest, which include those revealed earliest to the Prophet, at the end.[۶۸]

''جیسا کہ امر واقعہ ہے، قرآن کریم میں مختلف سورتوں کی ترتیب اس طرح نہیں جیسا کہ حضرت محمدﷺ نے پڑھی تھیں (ان پر نازل ہوئی تھیں) حضرت محمدﷺ کے وصال کے تقریباً (۲۰) سال بعد ۶۵۰ عیسوی میں جب پہلی مرتبہ سرکاری سطح پر قرآن کریم کی جمع و تدوین کا عمل انجام دیا گیا تو مرتبین نے قدرے طویل سورتیں شروع میں اور مختصر ترین سورتیں (جو بعثت نبویﷺ کے اوائل زمانہ میں نازل ہوئیں) آخر میں رکھ دیں۔''

دراصل گزشتہ کئی صدیوں سے مستشرقین کی ایک بڑی تعداد مضامین قرآن اور ترتیب قرآن پر تنقید کو موضوع بحث بناتی رہی ہے۔ جس میں نولڈیک (Noldeke) ولیم میور (William Muir) جے۔ایم۔راڈویل (J.M. Rodwell) بلاشیر (Blachere) اور آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) جیسے مستشرقین کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان سب کی تنقید کا ایک مشترکہ نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی ترتیب توقیفی (حکم الٰہی سے ترتیب شدہ) نہیں بلکہ نزولی ہے۔ اور اسی طرح سورتوں کی ترتیب آنحضرتﷺ کے وصال کے بیس سال بعد عہد عثمانؓ میں پایہ تکمیل تک پہنچی۔ مصنفہ نے مُستشرقین کے اسی نقطۂ نظر کی پیروی کی ہے۔

مستشرقین کی اس غلط فہمی کا جواب اسلامی ادب کے وسیع ذخیرے میں شامل متعدد کتب میں صراحت

۶۸- *Muhammad; A Biography*، ص ۵۰

کے ساتھ پایا جاتا ہے(۶۹) مگر غالباً مصنفہ کی ان کتب تک رسائی نہیں ہو پائی۔

دین اسلام صرف آل اسماعیل علیہ کا مذہب

کیرن آرم سٹرانگ نے اپنی کتب سیرت میں بارہا اپنے اس بیان کو دہرایا ہے کہ اسلام کوئی عالمگیر مذہب نہیں بلکہ صرف عربوں کی راہنمائی کیلئے نازل ہوا تھا جیسا کہ یہودیت صرف آل یعقوب (بنی اسرائیل) کیلئے نازل ہوا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر (محمد ﷺ) کے وصال کے بعد اس کو سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے عالمگیر مذہب کے طور پر دیکھنا شروع کر دیا۔

اپنے اس خیال کے اظہار کیلئے مصنفہ لکھتی ہے:

> "But Muhammad never had any idea that he was founding a new world religion. This was to be a religion for the Arabs, who seem to have been left out of the divine plan."(۷۰)

> ''حضرت محمد ﷺ نے کبھی بھی ایسا گمان نہیں کیا تھا کہ وہ ایک عالمی مذہب کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ یہ مذہب (اسلام) صرف عربوں کے لیے ہی تھا۔ جنہیں الہامی منصوبے میں شرکت سے محروم رکھا گیا تھا۔''

گویا کہ مصنفہ کے خیال میں اسلام کی نزول کا مقصد صرف یہ تھا کہ بنو اسماعیل علیہ السلام جو ابھی تک خدا کی طرف سے نازل شدہ کسی الہامی پیغام سے محروم تھے۔ ان کی ہدایت کے لیے پیغمبر اور الہامی کتاب بھیجی جائے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں وہ مزید رقمطراز ہے:

۶۹- اس موضوع کی تفصیلات کیلئے درج ذیل کتب سے مراجعت کی جا سکتی ہے، ابو عبید القاسم بن سلام، **فضائل القرآن**، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۱ء؛ جلال الدین سیوطی، **الاتقان فی علوم القرآن**، مطبعۃ المشھد الحسینی، قاہرہ، مصر، ۱۹۶۷ء؛ البغوی، حسین بن مسعود انوار، شرح السنۃ، المکتب الاسلامی، ط ا، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء؛ محمد بن عبداللہ زرکشی، **البرھان فی علوم القرآن**، داراحیاء الکتب العربیہ عیسیٰ البابی، مصر، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء؛ واعظ، محبّ الدین عبدالسبحان، مقدمہ کتاب المصاحف لابن ابی داؤد، دراسۃ وتحقیق ونقد، وزارۃ الاوقاف والشون الاسلامیہ، قطر، ط ا، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء؛ محمد فیروز الدین شاہ کھگہ، اختلافات قراء ات اور نظریہ تحریف قرآن، شیخ زائد اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۶ء

۷۰- ایضاً، ص ۸۶

"There is no evidence that Muhammad saw Islam as a universal religion which would supersede the revelations of the People of the Book. It was still a religion for the sons of Ishmael, as Judaism was a religion for the sons of Jacob."(۷۱)

''ایسی کوئی شہادت موجود نہیں کہ حضرت محمدﷺ نے اسلام کو کبھی عالمگیر مذہب سمجھا ہو جو اہل کتاب کی الہامی تعلیمات کی جگہ لے سکتا تھا۔ ابھی تک یہ مذہب صرف آل اسماعیل علیہ السلام کے لیے تھا جیسا کہ یہودیت آل یعقوب علیہ السلام کا مذہب تھا۔''

یعنی مصنفہ کی رائے میں حضرت محمدﷺ کی بعثت کا مقصد کسی پہلی الہامی شریعت کو منسوخ کرنا نہیں بلکہ صرف آل اسماعیل علیہ السلام کے لیے نئی شریعت کا اجراء کرنا تھا۔ کیونکہ پہلے سے موجود الہامی مذاہب (عیسائیت اور یہودیت) اپنے زمانہ نزول کی طرح محفوظ اور جامع تھے اور ان میں کسی تبدیلی یا نئی شریعت کی ضرورت نہ تھی۔ اپنی اس رائے کا مصنفہ نے کتاب میں مختلف جگہوں پر اظہار کیا ہے مثلاً:

"Muhammad now believed that al-Llah had sent him as a prophet to all the Arabs."(۷۲)

''حضرت محمدﷺ اب پُر یقین تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام عربوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔''

"Islam continued to be seen as the religion of the Arabs, just as Judiasm was the religion of the sons of Israel"(۷۳)

''اسلام صرف عربوں کے مذہب کے طور پر ہی جانا جاتا رہا ایسے ہی جیسا کہ

۷۱- ایضاً، صفحہ ۲۱۱۔۲۱۲

۷۲- ایضاً، ص ۲۱۲

۷۳- ایضاً، صفحہ ۲۵۹۔۲۶۰

یہودیت آل اسرائیل کا مذہب تھا۔"

مصنفہ کے ان تمام بیانات کا لب لباب یہ ہے کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام صرف عربوں یعنی آل اسماعیل علیہ السلام کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب نہیں بلکہ ایک مخصوص علاقے اور نسل کے لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل ہوا تھا۔ جیسا کہ یہودیت مخصوص علاقے اور نسل کے لوگوں کا دین تھا۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ کو اسلام کی تبلیغ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قومیں پہلے ہی خدا کی طرف سے الہامی شریعت کی حامل اور ہدایت یافتہ ہیں۔

جہاں تک مصنفہ کا اسلام کی عالمگیریت پر اعتراض ہے تو کیرن اس سوچ کی حامل پہلی مغربی سکالر نہیں ہے۔ تمام یہودونصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے کہ اسلام عالمگیر دین نہیں بلکہ اس کی تعلیمات صرف عربوں کے لیے ہیں۔ بلکہ ان کی ایک کثیر تعداد تو سرے سے اس بات کی ہی قائل نہیں کہ حضرت محمدﷺ خدا کے پیغمبر اور قرآن مجید اللہ کی الہامی کتاب ہے۔ ایسی صورتحال میں اگر کچھ مستشرقین اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت محمدﷺ اللہ کے سچے نبی اور قرآن حکیم الہامی کتاب ہے۔ تو یہ بھی حق کے اعتراف کے مترادف ہے۔

اسلامی عبادات: یہودیت و نصرانیت سے اخذ شدہ

مصنفہ اپنی کتب میں جا بجا اس رائے کا اظہار کرتی ہے کہ حضرت محمدﷺ نے یہودیوں کے ساتھ روابط استوار کرنے کی غرض سے یہود و نصاریٰ کی عبادات کو مسلمانوں میں رائج کیا تھا۔ اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہوئے مصنفہ لکھتی ہے:

> "Since First' Aqaba Muhammad had introduced some important Jewish practices. He was obviously reaching out eagerly to the Jews in the oasis, and must have been looking forward to working and praying with the people of this older revelation, after such a long period of Isolation. He instructed Mu'sab to hold a special meeting for Muslims on Friday afternoons, at the time when the Jews would be preparing for their Sabbath; this linked the new service with the Jewish festival, while at the same time keeping a tactful distance. Next he prescribed a fast for Muslims on the Jewish Yom Kippur (the Day of Atonement), which was

held on the 10th of the Jewish month of Tishri: the Muslim fast was accordingly called 'Ashura', which in Arabised Aramaic means 'the tenth'. Muslims were now to pray in the middle of the day, as the Jews did; hitherto they had only made the salat in the morning and evening, rising also during the night to keep vigils. Muslims were now told that they could marry Jewish women and eat Jewish food. They did not observe all the Jewish dietary laws, however, but only a modified version, which was remarkably similar to that which was given in the acts of the Apostles to the gentile converts to Christianity."(۷۴)

''بیعت عقبہ اولیٰ (کے زمانے) سے، حضرت محمد ﷺ نے بہت سی یہودی عبادات کو متعارف کروایا۔ وہ (حضرت محمد ﷺ) بڑی گرمجوشی سے، اس نخلستان میں' یہودیوں سے رابطہ استوار کرنا چاہتے تھے اور لازمی طور پر، ایک طویل عرصے کی معاشرتی تنہائی کے بعد' اس قدیم ترین مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور عبادات کرنے کی بابت بڑی سنجیدگی سے لائحہ عمل کو بروئے کار لا رہے تھے۔ انہوں نے مصعبؓ کو ہدایت کی کہ مسلمانوں کے لیے جمعہ کی سہ پہر ایک (مذہبی) اجتماع کا اہتمام کیا جائے۔ یہ وہ وقت تھا جب یہودی اپنے یوم سبت کی تیاری کر رہے ہوتے تھے۔ یوں وہ (حضرت محمد ﷺ) بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ' ایک مناسب فاصلہ رکھتے ہوئے، اپنی عبادت کو یہودیوں کی عبادت کے ساتھ ہم آہنگ کر رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں (حضرت محمدؐ) نے یہودیوں کے یوم کپور (جو کہ یہودی کیلنڈر کے مہینے ''تشری'' کا دسواں دن ہوتا ہے) کے متعلق مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس دن کی حرمت کے لحاظ میں، روزہ رکھا کریں۔ مسلمانوں کے روزے کو عاشورہ کہا

۷۴- ایضاً، صفحہ ۱۴۸؛ Muhammad: Prophet، صفحہ ۱۰۷۔۱۰۸

جاتا ہے جس کا مطلب دسواں ہے۔ مسلمان جو کہ اس سے قبل صرف صبح اور شام نماز ادا کرتے تھے، اب دن کے وسط میں بھی عبادت کرنا شروع ہو گئے۔ (اگرچہ وہ رات کے وسط میں بھی اٹھ کے عبادت کرتے تھے) مسلمانوں کو اب بتایا گیا کہ وہ نہ صرف یہودی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں بلکہ یہودیوں کی (حلال) خوراک بھی کھا سکتے ہیں۔ مسلمان، یہودیوں کی خوراک (حلال وحرام) کے تمام قوانین کی پابندی نہیں کرتے تھے تاہم یہ ان قوانین کی ایک اصلاح شدہ صورت تھی۔ جو قابل ذکر حد تک ان قوانین سے مماثل تھے جو عیسائی بزرگوں نے (ابتدا میں) عیسائیت قبول کرنے والے (غیر یہودی) لوگوں کو بتائے۔''

گویا کہ حضرت محمد ﷺ نے مدینہ آمد کے بعد نماز جمعہ کا اہتمام، دن کے وقت نماز کی ادائیگی، یوم عاشورہ کا روزہ اور دیگر عبادات اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کے لیے نہیں بلکہ محض یہودیوں کے ساتھ خوشگوار مراسم قائم کرنے کے لیے ان کی تقلید میں شروع کی تھیں۔ ایک دوسرے مقام پر مصنفہ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

"They also seemed to have practised a form of almsgiving, which was seen as a moral purification, and rose during the night to make vigils, during which they recited the Qu'ran. This practice probably derived from the night vigils made by the Christian monks of the Syrian desert, who used to rise in the small hours to recite the psalms.(۷۵)

''انہوں (مسلمانوں) نے صدقہ و خیرات دینے کا عمل اپنایا جو ان کی روحانی و اخلاقی پاکیزگی کا باعث تھا اور وہ رات کو عبادت کے لیے جاگتے جس میں وہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے۔ رات کو عبادت کے لیے جاگنے کا عمل غالباً انہوں نے شام کے عیسائی راہبوں سے سیکھا تھا۔ جو رات کے پچھلے پہر انجیل

۷۵- ایضاً، صفحہ ۱۰۱

کے مقدس ترانوں کی تلاوت کے لیے جاگتے تھے۔''

یعنی مسلمانوں کا رات کے پچھلے پہر نفل عبادت (تہجد) کے لئے جاگنا صرف عیسائی راہبوں کی تقلید کا نتیجہ تھا ورنہ اسلامی شریعت میں اس کا کوئی حکم نہ تھا۔ مزید برآں کچھ عقائد کے حوالے سے مصنفہ لکھتی ہے:

> "Muhammad had adopted the Jewish-Christian idea that only those who professed the true faith could be saved"(۷۶)

> ''حضرت محمدﷺ نے یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ اپنا لیا تھا کہ کامل ایمان کا اقرار کرنے والے ہی فلاح پائیں گے۔''

اسی موضوع پر وہ مزید رقمطراز ہے:

> "From the Qu'ran it appears that most of the early Criticisms centred round the notion of the Last Judgement, which Muhammad had taken from the Jewish-Christian Tradition."(۷۷)

> ''قرآن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدۂ آخرت پر مبنی (مشرکین پر) ابتدائی تنقید، حضرت محمدﷺ نے یہود و نصاریٰ کی روایت سے اخذ کی تھی۔''

مندرجہ بالا اقتباسات میں مصنفہ کے خیالات پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی رائے میں حضرت محمدﷺ نے یہودیوں کی خوشنودی کے حصول کے لیے مسلمانوں کو ان کی مذہبی رسومات کے اتباع کا حکم دیا اور ان عبادات کا اجراء وحیِ الٰہی کے حکم سے نہیں بلکہ (بظاہر) نبی کریمﷺ کی ذاتی خواہش پر کیا گیا۔ اس رائے کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱- حضرت محمدﷺ نے مدینہ آمد کے بعد نماز جمعہ کی اجتماعی عبادت کا آغاز، یہودیوں کے یوم سبت کی عبادت کی اتباع میں کیا تھا۔

۲- دن کے وسط میں، مسلمانوں کو نمازوں کی ادائیگی کا حکم بھی یہودیوں کی طرز عبادت سے متاثر ہو کر دیا گیا۔

۳- رات کے پچھلے پہر عبادت کے لیے جاگنے (تہجد) کا طریقہ، عیسائی راہبوں کی تقلید میں شروع کیا

۷۶- ایضاً، ص ۱۳۶

۷۷- ایضاً، صفحہ ۱۰۶

گیا۔

۴- عقیدۂ آخرت کا تصور یہود و نصاریٰ کے عقائد سے اخذ کیا گیا۔

۵- یوم عاشورہ کا روزہ، یہودیوں کی خوشنودی کے حصول کے لیے شروع کیا گیا۔

۶- یہودیوں کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہی، اہل کتاب کی خوراک اور خواتین کی حلت کا حکم دیا گیا۔

مصنّفہ کی کتب سیرت کے مندرجات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان تمام فروگذاشتوں کی وجہ یقیناً مصنّفہ کے ذہن میں کسی قسم کا (شعوری) مذہبی تعصب نہیں بلکہ کچھ دیگر عوامل ہیں۔ مثلاً

۱- مصنّفہ کی عربی زبان و ادب اور دیگر علوم اسلامیہ سے (بلاواسطہ) عدم واقفیت ۔

۲- مصنّفہ کی (عربی زبان سے نابلد ہونے کی بنا پر) اسلامی تاریخ اور حدیث کے بنیادی مآخذ تک براہ راست عدم رسائی۔

۳- پہلے دونوں عوامل کی موجودگی میں مصنّفہ کا (متقدّمین مستشرقین کے تحریر کردہ) ثانوی مآخذ سے استفادہ۔

۴- قدماء مستشرقین کے افکاروآرا کی پیروی۔

۵- بعض تاریخی واقعات کے بیان میں حوالہ جات کی عدم دستیابی

ان فروگزاشتوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کا بھی برملا اعتراف کرتے ہیں کہ اسلامی مصادر کی بنیادی زبان عربی سے نابلدہونے کے باوجود، ثانوی مآخذ کا استعمال کرتے ہوئے اس قدر جامع اور مثبت انداز میں اسلامی تاریخ اور سیرت رسولﷺ کو پیش کرنا اپنے طور پر ایک علمی کارنامہ ہے۔

حاصل بحث

اکیسویں صدی کی دنیا کے خوفناک سیاسی منظر نامے کے تناظر میں لکھی گئی ان کتب سیرت میں مصنّفہ نے انتہائی دردمندی اور خلوص کے ساتھ اقوام عالم میں باہمی رواداری اور افہام وتفہیم کے حصول کے لیے مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت واہمیت پرزوردیاہے۔ اہل مغرب اور مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی منافرت کی خلیج کو پاٹنے کے لیے ممکنہ حل کے ضمن میں مصنّفہ کی رائے ہے۔

We must also realize that we cannot, for example,
fight this new kind of warfare with the weapons and

ideology of the cold war. We need new solutions for our unprecedented situation, and can learn much from the Prophet's restraint. But above all, we can learn from Muhmmad how to make peace.(۷۸)

''ہمیں احساس ہونا چاہیے کہ ہم نئی طرح کی جنگ، سرد جنگ کے زمانے والے ہتھیاروں اور نظریات سے (مسلح ہو کر) نہیں لڑ سکتے، ہمیں اس مشکل اور بے حد انوکھی صورتحال سے نمٹنے کے لیے نئے حل تلاش کرنا ہوں گے اور اس ضمن میں ہم رسول پاکﷺ کی احتیاط پسندی کی روش سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ہم حضرت محمدﷺ کی امن قائم کرنے کی کوششوں سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں''۔

کیرن کے نقطہ نظر کے مطابق زمانہ قبل از اسلام عرب کے عہد جاہلیت میں موجود فخر وغرور، مفاد پرستی، معاشی تفاوت اور جس کی لاٹھی اسکی بھینس جیسی بے شمار قبیح اقدار آج کے دور میں بھی نہ صرف مغرب بلکہ اسلامی دنیا میں بدرجہ اتم موجودہ ہیں(۷۹)۔ اسی معاشرتی انحطاط میں مماثلت کی بنا پر کیرن یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرے کو اخلاقی ومذہبی پستیوں سے نکالنے کے لیے جس دانش وبصیرت سے کام لیا گیا تھا، تباہی کے دہانے پر کھڑی آج کی پراگندہ اور پُرانتشار دنیا کے مسائل کے حل کے لیے بھی اسی ذات اقدس کی حکمت افروز راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس نیت اور اہم مقصد کے لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کا جامع، عام فہم اور مثبت تعارف مغربی دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور ان کے مدّبرانہ فیصلوں کی تہہ میں کارفرما حکم ومصالح کے اسرار ورموز سے آگہی حاصل کی جائے۔ مزید برآں کیرن بار بار یہ موقف دہراتی ہے کہ الہامی مذاہب کے پیروکاروں میں پائے جانے والے مذہبی تعصب ومنافرت کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ یورپی اقوام کے ارباب اختیار انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر محروم ومظلوم مسلم اقوام کے لیے جبرواستبداد اور وحشت وبربریت کا بازار گرم کرنے کی بجائے انہیں مساوی درجہ دیتے ہوئے باہمی مکالمہ کی روِش کو اپنائیں(۸۰) اس سلسلے میں اس نے اہل مغرب کے نام یہ پیغام دیا ہے۔

If we are to do better in the twenty-first christian

۷۸- ***Muhammad: A Biography***، ص ۱۵

۷۹- ***Muhammad: Prophet***، ص ۱۹،۲۰

۸۰- ***Muhammad: A Biography***، ص ۴۲-۴۴،۲۶۴-۲۶

century, western people must learn to understand the muslims with whom they share the planet. They must learn to respect and appreciate their faith, their needs, their anger, and their aspirations. And there can be no better place to start this essential process than with a more accurate knowledge of the life of the Prophet Muhammad, whose special genius and wisdom can illuminate these dark and frightening times.[۸۱]

''اگر اہل مغرب اکیسویں صدی عیسوی میں کوئی اچھا کام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اہل اسلام کو سمجھنا چاہیے جن کے ساتھ وہ اس کرہ ارض پر رہتے ہیں۔ اہل مغرب کو مسلمانوں کے عقائد، ان کی ضروریات اور غم و غصہ کا نہ صرف خیال کرنا چاہیے بلکہ ان کی خواہشات کا بھی احترام کرنا چاہیے۔ اس سارے طرز عمل کو اختیار کرنے کے لیے سب سے بہترین راستہ جو (اہل مغرب) اختیار کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کا زیادہ مستند مطالعہ کریں۔ جن کی بے پناہ ذہانت اور حکمت و فراست اس دور ظلمت میں راہوں کو جگمگا سکتی ہے۔''

عیسائی مغربی اقوام اور اہل اسلام کے درمیان تناؤ اور تلخی کے حامل تعلقات کی طویل تاریخ کے بعد کسی مغربی سکالر کی طرف سے پیغمبر اسلام کی نبوت کو نہ صرف سچا تسلیم کرنا بلکہ موجودہ دور کے پرانتشار سیاسی ومذہبی مسائل کے حل کے لیے ان کی دانش وبینش سے راہنمائی کے حصول کا مشورہ دینا مسلم عیسائی دنیا کے تعلقات میں فہم وافہام کی فضا قائم کرنے کی طرف ایک اہم پیش رفت ہے۔ متعصب اور ناکافی معلومات کی وجہ سے اہل مغرب کے ذہنوں پر چھایا ہوا اسلام دشمنی کا غبار، معتدل اہل علم کے آزادانہ اور معروضی تحقیق ومطالعہ کی روشنی میں رفتہ رفتہ چھٹ رہا ہے۔ گو کہ کیرن کی یہ تصنیفات سیرت اس سلسلے میں بارش کے پہلے قطروں کی مانند ہیں مگر امید کی جاسکتی ہے کہ اہل مغرب کی آئندہ نسلیں زیادہ معروضی طریقے پر اسلام کی

۸۱- ایضاً، ص ۱۵

حقانیّت کو جانچیں گی۔ تحقیق ومطالعہ کی اس نہج کو اپناتے ہوئے اس کثیر العناصر اور کثیر المذاہب دنیا میں امن وآشتی کو فروغ دینے کے لیے تینوں سامی مذاہب (عیسائیت، یہودیت اور اسلام) کے پیروکار ان مذاہب میں پائی جانے والی مشترکہ تعلیمات کے پیش نظر باہمی ہم آہنگی اور رواداری کو فروغ دیں گے۔

سفارشات وتجاویز

عیسائی اور مسلم اقوام میں رواداری اور ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق مغرب سے آنے والی تحریروں کا کھلے دل سے خیر مقدم کیا جائے اور پھر ان کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے۔

اس ضمن میں ارباب علم وتحقیق کی خدمت میں چند سفارشات وتجاویز پیش خدمت ہیں۔

۱- دورِ حاضر میں اسلام کو درپیش تحدّیات (challenges) کے تناظر میں سیرت نبوی ﷺ جیسے اہم موضوع کے مطالعہ وتحقیق کے لیے علمی وتحقیقی اداروں کی سطح پر رجال کار کی تیاری اور ان کی تربیت کے لیے مسلم علماء کرام اور دانشوروں کو باہمی غوروفکر کے بعد اہم اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔

۲- سیرت نبوی ﷺ کے مطالعہ کے لیے ملک کی اہم جامعات اور تحقیقی اداروں میں مغربی دانشوروں کی علمی تحقیقات اور ان کے مناہج کو درست طور پر پرکھنے اور ان کے نقد ومحاکمہ کے لیے مغربی جامعات کی طرز پر [۸۲] باقاعدہ تحقیقی مراکز تشکیل دیے جانے چاہیں۔

۸۲- مغربی جامعات میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان افہام وتفہیم کو فروغ دینے کے لیے کچھ مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

Macdonald Center for Islam and Christian-Muslim Relations at Hartford Seminary, Connecticut, USA ; The Center for the Study of Islam and Christian-Muslim Relations, at Selly Oak Colleges, Birmingham, UK ; The center for Muslim-Christian Understanding at Georgetown University Washington, D.C.

بحوالہ:۔ اسماعیل ابراہیم نواب Muslims and the West in History

از مرتبہ Muslims and the West: Encounter and Dialogue

شائع شدہ، John L. Esposito, Zafar Ishaq Ansari ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۴۷

۳۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے حوالے سے مغربی علماء کرام کی تحریروں پر متعصّبانہ ومنفی تنقید اور انہیں غیر منطقی رویوں سے جانچنے کی بجائے ایک پُر مغزاور بامعنی تجزیہ نگاری کے لیے وسُعتِ مطالعہ اور وسعت نظر کے حامل مسلم سکالرز کو تعینات کیا جائے۔ جو عدل وانصاف کے عالمگیر اسلامی اصولوں کے مطابق کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکیں۔

۴۔ معتدل مزاج اور مثبت فکر کے حامل مغربی دانشوروں اور بین الاقوامی شہرت کے حامل مسلم سکالرز کو مکالمہ بین المذاہب کے فروغ کے حوالے سے (ملکی سطح پر) باہمی اظہار خیال کیے لیے مدعو کیا جائے۔

۵۔ اسلامی موضوعات خصوصاً سیرت نبوی ﷺ پر لکھی گی مغربی تحریروں کے مستند تحقیقی اداروں کی سرپرستی میں قومی زبانوں میں تراجم کے خصوصی انتظامات کیے جائیں۔ تاکہ عوام الناس تک پہنچنے سے قبل یہ مغربی تحریریں تراجم اور لکھائی کی اغلاط سے مبرّا ہوں۔

۶۔ دراسات اسلامیہ کے طلبہ میں سیرت کے علمی اور عملی پہلوؤں کو جاگزیں کرنے کے لیے کلیات وجامعات میں خصوصی کورسز اور نصابات ترتیب دیے جائیں اور اس کی تدریس کے لیے مؤثر اور حسب حال ہدایات کا جامع نظام فراہم کیا جائے۔

❁❁❁❁❁

اشتہار